جلد ۱۰۹ جون ۱۹۸۸ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

۵

سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

طویل انتظار کے بعد چھپ کر آگئی ہے۔

جلد اوّل ——— بُنیادی مباحث
جلد دوم ——— حضورؐ کی ولادت سے ہجرت تک

- ضخامت جلد اوّل ——— ۷۶۴ صفحات
- ضخامت جلد دوم ——— ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزین

قیمت فی سیٹ : -/۲۰۰ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار ○ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۹ | جون ۱۹۸۸ء مطابق شوال ۱۴۰۸ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن - رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔

فون نمبر ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

(۳)

پچھلی قسطِ اشارات میں سلسلۂ گفتگو سے ذرا ہٹ کر ہم نے جنیوا مذاکرات کے مسئلے کی طرف اشارہ کیا تھا اور مختصراً "فیصلے" سے قبل یہ عرض کیا تھا کہ نتیجہ وہ نکلے گا جسے ہم قفسِ آزادی میں بند محکومانِ ازلی پر ارضی دیوتا ٹھونس دیں گے۔ اُوپر تقدیر اللہ کی ہے اور اس کے دائرے کے اندر نیچے جو تقدیر بطور سزائے نااہلیت ہمارے لیے تجویز کی گئی ہے، ظاہری طور پر اُسے ارضی دیوتا تیار کرتے ہیں۔ وہاں سے اشارہ ہوتا ہے تو یکایک ایک کٹھ پتلی حرکت میں آجائے گی، پھر اشارہ ہو تو کوئی کٹھ پتلی آسمان پر اُڑنے لگے گی اور ترانۂ آزادی گائے گی، پھر اشارہ ہو تو کوئی کٹھ پتلی کسی کمزور دیوتا کے پاؤں کی چھنگلیا کے ناخن پر رائی کا ایک دانہ غلیل کے ذریعے مارے گی اور پھر خوب اُچھلے گی اور تالیاں بجائے گی اور دنیا کے بے شمار جینگر خوب شہنائیاں بجائیں گے۔ لیکن ذرا سخت سا ایک اور اشارہ ہوگا تو تمام کٹھ پتلیاں بھاگ کر ایک کنویں میں چھلانگ لگا دیں گی جس کا ڈھکن خودبخود بند ہو جائے گا اور اُوپر تاریکی کا سمندر لہریں لینے لگے گا۔

جنیوا میں شطرنج کی جو بساط بچھی تھی اس کے کھلاڑی تو جو تھے وہ تھے، تختے کے اُوپر جو نردیں چُنی گئی تھیں وہ بھی سمجھتی تھیں کہ کھیل کی جان تو ہم ہیں ــــ ان میں سے جو بادشاہ اور وزیر تھے ان کا تو کہنا ہی کیا، لیکن جو ہاتھی گھوڑے تھے وہ بھی بڑی آن بان دکھا رہے تھے، کیونکہ وہ بادشاہوں اور وزیروں کی سواری کا کام دینے کی وجہ سے بڑے معزز و مؤقر تھے۔

اور تو اور، پیادوں ہی کے فخر کے پتر جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے، کیونکہ لڑائی میں پیش پیش بھی وہی تھے، پیچھے نہ پلٹنے کی انہوں نے قسم کھا رکھی تھی اور لڑائی کا آخری نتیجہ بھی انہی پر منحصر تھا، حتیٰ کہ مخالف جانب کے بادشاہ سلامت ادھر کے کسی پیادے ہی کی شہ سے مات ہو جاتے۔ اب وہ پیادہ سمجھے کہ کھیل تو ہمارا تھا اور ہم نے سر کیا۔

تو جنیوا کی بساط پر اصل حریفانِ مقابل تو گورباچوف اور رینالڈ ریگن تھے۔ البتہ کچھ اور ملکوں کو بھی رنگ میں لیا گیا تھا۔ یہ فخر پاکستان کو بھی حاصل ہوا۔

اب دیکھیے نتیجہ!

اصل فریقینِ نزاع تو دو ہیں: ایک روس جس نے افغانستان پر فوجی جارحیت کی اور نو سال تباہی مچاتے کا سلسلہ جاری رکھا اور اب وہ اس لیے جانے پر مجبور ہوا کہ فتح کے امکانات بالکل نہیں ہیں اور روس کو بہت بڑے نقصانات پہنچ رہے ہیں۔ اوّل تو اس کی ناقابلِ مزاحمت قوت ہونے کی دھاک جو ظہورِ انقلاب سے اب تک قائم تھی، ختم ہو گئی، اور ختم بھی ایسی مسلم قوم کے ہاتھوں ہوئی جو تمدنی لحاظ سے پسماندہ، تعلیمی لحاظ سے محض مبتدیانہ حد تک ترقی پذیر، دفاعی سامان اور علوم کے لحاظ سے تہی دامن تھی۔ دوسرے روس کی اپنی فوج کا مورال تیزی سے گرا۔ اور تیسرے یہ کہ روس کی اپنی آبادی میں ایجی ٹیشن کرنے کی جرأت بڑھ گئی۔ دوسرا فریق مجاہدینِ افغانستان تھے، جنہوں نے روسی جارحیت کا مقابلہ بڑی قربانیوں اور مشقتوں کے ساتھ کیا۔ جادوگرانِ زمانہ نے لفظ مجاہدین کو پروپیگنڈے کی مشین میں ڈال کر "چھاپہ مار" بنا دیا، اور چھاپہ ماروں سے گفتگو کرنے کو خلاف تہذیب گردانا ــــ اور جو بھی کچھ ہوا ــــ بس اسی ایک فیصلے سے ساری بازی دشمن کے ہاتھ چلی گئی۔

عبوری حکومت کا قیام نہ ہو سکا، کابل گورنمنٹ کے خاتمہ اور اس کے وقت کا اعلان نہ ہو سکا، یہ طے نہ ہو سکا کہ آئندہ کے نظام کو تشکیل دینا مجاہدین و مہاجرین کی اس قوت کا کام ہے جو روس کے خلاف جنگ آزما رہ کر آج فاتحانہ پوزیشن میں آگئی ہے۔ بلکہ ایسی صورتیں تجویز کی گئیں کہ لڑائی جاری رہے، ملک کے دو حصے ہو کر آپس میں لڑیں اور ایک حصے کو روس اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیے اپنی جنگی قوت اور مہارت اور زیادت کو کام

میں لائے، اِدھر پاکستان کو خوئے سرافرازی کی سزا دینے کے لیے بھارت کو حملہ آوری پر مجبور کرے جس کے لیے وہ ہلاکت کا طوفان اُٹھانے والے ہتھیار بھجوا رہا ہے، اُدھر مہاجرین ایسی پیچیدگی میں پڑیں کہ ان کے لیے افغانستان واپس جانا ممکن نہ ہو۔ واپس جائیں تو نہ کہیں سے خوراک ملے، نہ پھلوں والے درخت موجود ہوں، نہ زمین اس قابل ہو کہ کاشت کرکے فصل اُگائی جاسکے، نہ مویشی ہوں کہ اس زندہ دولت کی افزونی کو سرمایۂ اُمید بنایا جا سکے۔ علاوہ ازیں روسی اور کابلی حملوں اور بمباریوں کا خطرہ اسی طرح ان پر معلق رہے جیسے پہلے تھا۔ اور جس کی وجہ سے وہ ترکِ وطن کرکے آئے تھے۔ نہ وہاں کوئی ہسپتال اور ڈاکٹر ہوں کہ ان کے معذوروں اور زخمیوں اور مریضوں اور وبا زدوں کا علاج کرسکیں۔

بلکہ خطرہ تو یہ بھی ہے کہ مہاجرین کی خاصی تعداد جب لوٹ کے واپس پہنچے تو ایک طرف تو وہ اتنے زیادہ مصائب میں گھِر جائے کہ فرسٹریشن کا شکار ہو جائے اور دوسری طرف وقتاً فوقتاً تاک تاک کر ان پر دشمن بمباریاں اور آتش بازیاں کرکے ان کو مکمل طور پر بے بسی اور نااُمیدی کے آخری مرحلے تک پہنچا دے۔ یہاں تک کہ وہ اس قابل بھی نہ رہیں کہ دوبارہ پاکستان کا سفر کرسکیں۔ کیونکہ پہلے ان کا سرمایۂ زندگی اُمید تھی اور اب اس اُمید کا چراغ گُل کردیا جائے گا۔

خیر ان اندیشوں کو ایک طرف ڈال کر ہم بہ یقین کہتے ہیں کہ افغان مجاہدین ایک ایسی طوفانی قوت ہیں، جو پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ نبرد آزما ہوں گے اور ان کی سرفروشانہ مساعی کابل کا تختہ ہلا دیں گی۔ اس سلسلے میں علامات ابھی سے سامنے ہیں کہ کابل حکومت اور کابل فوج کے بکثرت افراد مع معلومات و سامان مجاہدین کے ساتھ آکر مل رہے ہیں۔ یہ حالات کسی بھی قلعۂ اقتدار کے ٹوٹنے کے قریب اسی طرح رونما ہوتے ہیں جیسے زلزلے سے تباہ ہونے والے علاقے سے مویشی بھاگ جاتے ہیں۔ مگر اس خبر میں بھی ایک پہلو امتحان کا ہے۔ یہ مختلف ساخت کا عنصر جس تجربے سے نہیں گذرا جس سے مہاجرین گذر رہے ہیں، ان میں اچھی طرح گھُل مِل نہیں سکے گا اور گو ابتدا میں یہ لوگ خاموش رہیں گے مگر بعد میں ان کا اندازِ اختلاف نمایاں ہونے لگے گا۔ یہاں تک کہ جب اقتدار کو ہاتھ میں

لے کر تعمیری کام کرنے کا وقت آئے گا تو یہ لوگ اندر سے مجاہدین کے سیاسی انقلابی عمل میں خلل انداز ہوں گے۔

بہرحال اتنی بات واضح ہے کہ روس اور امریکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ نہ افغانستان کی جغرافی و سیاسی نوعیت ایسی بنے اور نہ مجاہدین کو ایسا مرتبہ حاصل ہو کہ وہ بنیاد پرستانہ ذہن کے ساتھ اسلام کا نظامِ حیات برپا کر سکیں۔ خاص اس نقطے کی حد تک پاکستان کے بیوروکریٹس اور سیکولرسٹ بھی متفق ہیں کہ ٹھیٹھ یا ٹھوس اسلامی حکومت رونما نہ ہو جائے، ورنہ پھر پاکستان کو اس خطرے سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔

جینوا مذاکرات کے نتیجے میں ہونے والے معاہدات اور ان سے پیدا ہونے والے حالات کا یہ وہ فریم ہے جس میں آپ اپنی حکومت کو، اپنی پارلیمنٹ کو اپنی جماعتوں کو اور اپنے آپ کو رکھ کر بغور دیکھیں کہ آپ کا آج کی وسیع دنیا میں سیاسی یا معاشی یا ڈپلومیٹک یا تہذیبی لحاظ سے کیا مقام ہے۔ کیا ویسا ہی نہیں جیسا ایک سربمہر خالی مٹکے کی اندرونی دیوار پر رینگنے والے اس باریک سے جاندار کا ہوتا ہے جس کا حجم زیادہ سے زیادہ ایک نقطے کے برابر ہوتا ہے۔

دراصل ہم جو ایک چٹان تھے، ہمیں بے بسی اور بے مائیگی کے زہر میں کھرل کر کے باہر والوں نے اور اپنوں نے رائی کا ایک دانہ بنا دیا ہے۔ اندر والوں نے کھرل کو مضبوطی سے پکڑے رکھا ہے اور باہر والوں نے ہاون دستہ اس میں خوب خوب چلایا ہے، یہاں تک ہمارا کشتہ بن گیا۔

اب یہ جو فراخدلی سے قرضے دیئے جا رہے ہیں اور اسلحہ کی ترسیل کی جا رہی ہے اور حوصلہ دلایا جا رہا ہے ___ اس سے اگرچہ راہِ فرار بھی اب نہیں رہی ___ مگر یہ سب کچھ ہماری ذہنی اور تہذیبی اور دفاعی اور اقتصادی غلامی کے تالوں پر نئی مہریں لگانے کے لیے ضروری ہے۔

آئندہ کے لیے جس انتہائی پیچیدہ صورتِ حالات سے ہم دوچار ہو رہے ہیں وہ بڑی خوفناک ہے۔ پہلے تو امریکہ ہی کا ذہنی، اقتصادی اور دفاعی تسلط تھا، تہذیبی اور

علاقائی نہ تھا) اب پاکستان کی بساطِ شطرنج میں حصہ لینے کے لیے رُوس بھی آپہنچا ہے۔ دوستی کی راہیں بنانے کی کوششیں ہیں اور ان کے لیے برسوں سے دلی بزنجو ٹائپ لوگ چیخ پکار کر رہے تھے کہ جب تک رُوس کی دوستی کی بھی زنجیریں پاکستان کو پہنا نہ دی جائیں، خالی خولی امریکی زنجیریں بے کار ہیں۔ بلکہ امریکی زنجیریں اُترواکر وہ خالص رُوسی زنجیروں کو پاکستان کے لیے سامانِ فخر سمجھتے ہیں۔ رُوسی زنجیروں ہی کا دوسرا نام آزادی، ترقی اور مساوات ہے۔ جہاں جہاں یہ زنجیریں پہنچی ہیں، وہاں وہاں آزادی اور مساوات کے نام سے دُودھ شہد کی نہریں بہہ نکلی ہیں۔

تو اب ہمارے مُلکی آنگن میں دونوں کھلاڑی آمنے سامنے رنگ میں آکھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو گھوریں گے، "بڑھکیں ماریں گے"، کبھی کبھی ہاتھ چلائیں گے، اور جب کوئی تھکے گا تو تو لیے کر مالش کرنے کا اعزاز ہمیں دونوں جانب سے حاصل ہوگا۔ صاحب ہم دونوں کے "ہنتھ بدھے" غلام۔ نہ ایک پر اعتراض، نہ دوسرے سے اُلجھن، بلکہ سب کچھ تو اصل ان کا ہوگا، ہم تماشائی ہوں گے۔

اُدھر بھارت کے سمندروں میں سطح پر طیارہ بردار جہاز اور سطح کے نیچے ایٹمی آبدوزیں، اِدھر خلیج میں بحری بیڑوں کی نقل و حرکت، سیاچن کے میدانِ یخ میں معرکہ، سندھ میں خلل اندازیاں، کراچی میں باشندگانِ کراچی کو ایک دوسرے سے لڑا نے مروانے کے سامان اور ایک عالمی شہرت کے پُر رونق شہر کو ویرانہ بنانے کے پروگرام[1]!

---

[1] اور کمال یہ کہ ہر بار چند سکوٹر والے یا جیپ والے کلاشنکوفیں لیے آتش افگنی کرتے یکایک نمودار ہوتے ہیں اور تباہی پھیلا کر، بلکہ آبادی کے مختلف عناصر میں غلط فہمی کی بارود میں چنگاریاں پھینک کر غائب ہو جاتے ہیں۔ کبھی کوئی پکڑا نہیں جاتا۔ جیسے جنات ہوں، جو پہاڑ دل یا سمندر کی طرف شیطانِ اعظم کے حکم پر آتے ہوں اور انسانی زندگی کو خیر و خوبی سے محروم کر کے تباہی کے حوالے کر جاتے ہوں۔ کیا کراچی کسی جنگل کا نام ہے؟ کیا وہاں (باقی برصفحہ آئندہ)

شمالی سرحد پر چلنے والے میزائیل، فاسفورس کا وہ مبینہ گولہ جو ادجھڑی کیمپ پر گرا، ادھر عراق ایران جنگ اور اس کے لیے اسلحہ فروشوں کا تعاون، پھر اب سعودی عرب اور ایران میں شدید درجے کا کھچاؤ، لبنان کا اسرائیلیوں کے فوجیوں سے اس طرح پامال ہونا جس طرح قالین پر اونٹ ناچ رہے ہوں، اسرائیلی ریاست کی مسلم عرب آبادی کے لیے مسلم دشمن حاکموں کا قسائیوں جیسا رویہ! سلسلۂ احوال کتنا پیچ در پیچ ہے۔

اور ابھی تو کھیل کا آغاز ہے، ذرا میدان گرم ہو لے تو پھر دیکھیے گا۔

اس طویل تحریر میں کسی جگہ لکھا جا چکا ہے کہ اس وقت کرۂ ارضی کے فرعونوں اور نمرودوں کے لیے یہ چھوٹا سا جغرافی خطہ انتہائی خطرناک ہے، جس میں ایران، افغانستان اور پاکستان واقع ہیں۔ اس چھوٹے سے علاقے میں وہ سچی متحرک، فعال بالیدگی پسند، جہاد آموز اسلامیت موجود ہے جسے ماسکو سے لے کر واشنگٹن تک بڑی گھگھیاہٹ کے ساتھ "بنیاد پرستی" کہا جاتا ہے۔ یہاں کی تین طاقتوں میں سے ایک تو امریکہ کی گرفت میں ہونے کے باوجود قابو سے نکل گئی اور اس نے "بنیاد پرستی" کا انقلابی نقشہ کسی نہ کسی رنگ میں جما دیا۔ پاکستان کو دونوں طرف کی طاقتوں نے براہ راست بھی اور اس ملک میں کام کرنے والی مخالفِ اسلام قوتوں کے ذریعے بھی شدید تضادات اور اضطرابات میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہاں کی اسلامیت کی سیاسی لہر کی بلندی غالباً خطرے کے نشان سے نیچے آگئی ہے۔ اور اب صرف افغانستان میں پانی خطرے کے نشان سے اونچا ہے۔ اس کے لیے قوم کو دو حصوں میں بانٹ کر لڑانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہر بازار، گلی، موڑ، چوراہے پر کار خاص کے لیے ایسے آدمی مقرر نہیں کیے جا سکتے جن کے پاس کیمرے ہوں، دور بینیں ہوں، واکی ٹاکی ہو، الارم کا انتظام ہو اور دفاع کے لیے نہایت اوّل درجے کا اسلحہ ہو۔ ۴، ۵ سو آدمی مقرر کیجیے، چند ہی روز میں سکوٹر سوار جنات کی ایک آدھ ٹولی ضرور پکڑی جائے گی۔ اور پھر سلسلہ آگے چلے گا۔

کے سامان مہیا ہیں۔ سات جماعتوں کے اتحاد کو توڑنے کی اسکیمیں بھی تیار کی جا چکی ہیں۔، پاکستان کے ذریعے بھی زور ڈلوانا ہے کہ اور جو کچھ ہو، اسلامی حکومت نہ بننے پائے۔

اور اگر بن گئی تو ــــــ

تو پھر پاکستان میں انقلابی جذبات کی اسلامی رَو خطرے کے نشان سے پھر بہت بلند ہو جائے گی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ جلد ہی خطرہ نمودار ہو جائے۔

ذرا سوچیے، ہم کہاں کس طرح گھِرے کھڑے ہیں۔ "گلیور" کی طرح ہمارا تو بال بال بندھا ہوا ہے۔

(باقی)

حکمتِ سیّد مودودیؒ

خود ساختہ رسمیں اور تہوار

(ادارہ)

شریعتِ محمدی میں فرائض کا ایک نہایت ہلکا اور سادہ ضابطہ تجویز کر کے باقی تمام رسموں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، عید اور بقر عید کے سوا کوئی تہوار نہ رکھا گیا، حج کے سوا کوئی جاترا نہ رکھی گئی، زکوٰۃ کے سوا کسی نذر نیاز یا دان پن کو فرض نہ کیا گیا - اور ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کر دیا گیا کہ انسان کو جس طرح خدائی فرض میں کوئی چیز کم کرنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح کوئی چیز بڑھانے کا حق بھی نہیں ہے۔

ابتدائی زمانہ میں جو لوگ شریعتِ محمدی کی روح کو سمجھتے تھے وہ سختی کے ساتھ اس اصول کے پابند رہے - انہوں نے نئی رسمیں ایجاد کرنے سے انتہائی پرہیز کیا - اور جو چیز لازمی رسم بنتی نظر آئی اس کی فوراً جڑ کاٹ کر رکھ دی - انہیں معلوم تھا کہ ایک چیز جس کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھ کر ابتداء میں بڑی نیک نیتی کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے وہ رفتہ رفتہ کس طرح سنّت پھر واجب، پھر فرض اور آخر کار فرضوں سے بھی زیادہ اہم بنتی چلی جاتی ہے۔ اور جہالت کی بنا پر لوگ اس نیکی کے ساتھ کس طرح بہت سی برائیاں ملا جُلا کر ایک قبیح رسم بنا ڈالتے ہیں۔ اور اس قسم کی رسمیں جمع ہو کر کس طرح انسانی زندگی کے لیے ایک وبال اور انسانی ترقی کی راہ میں ایک بھاری روگ بن جاتی ہیں - اس لیے ابتدائی دور کے علماء اور امام اس بات کی سخت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ شریعت میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہ ہونے پائے - ان کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ جو چیز شریعت میں نہیں ہے، اُسے شرعی حیثیت دینا، یا جس چیز کی شریعت میں جو حیثیت ہے اس سے زیادہ اہمیت اس کو دینا بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کی صدیوں میں اس طرف سے انتہائی غفلت برتی گئی اور بتدریج مسلمان بھی اپنی خود ساختہ رسموں کے جال میں اسی طرح پھنستے چلے گئے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس خرابی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مابعد کے زمانے میں جو قومیں اسلام کے دائرے میں داخل ہوئیں، اُن کو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت نہ مل سکی۔ وہ اپنے ساتھ پرانے جاہلیت کے بہت سے خیالات اور بہت سے طور طریقے لیے ہوئے اسلام میں آگئیں۔ ان کو صدہا برس سے رسمیات اور تہواروں اور میلوں ٹھیلوں اور جاتراؤں کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بغیر ان کے لیے مذہبی زندگی میں گویا کوئی لطف ہی نہ تھا۔ اسلام کی سادہ شریعت کے دائرے میں آکر بجائے اس کے کہ وہ پرانی رسموں کا بوجھ اُترنے اور پرانی زنجیروں کے بند کٹنے سے اطمینان محسوس کرتیں، انھیں یہاں آتے ہی یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کسی طرح وہی بوجھ پھر اپنے اُوپر لادیں جنھیں اسلام نے اُتارا تھا اور وہی بیڑیاں پھر پہن لیں جنھیں اسلام نے کاٹا تھا۔ چنانچہ انھوں نے کچھ تو پرانی جاہلیت کی رسمیں ذرا سی ظاہری صورت بدل کر باقی رکھیں، اور کچھ نئی رسمیں خود ایجاد کیں، یہاں تک کہ اسلام کو بھی ویسا ہی رسموں اور تہواروں کا مذہب بنا کر رکھ دیا جیسے ان کے پرانے مذہب تھے۔ ان نئی رسموں کی ایجاد میں ماشاءاللہ خاصی باریک بینی سے کام لیا گیا۔ قرآن اور حدیث کو اس غرض کے لیے تو نہ چھانا گیا کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظامِ نامہ مرتب کیا ہے اس کے اُصول مرتب کیے جاتے، بلکہ ساری چھان بین اس لیے کی گئی کہ کہاں ایک نئی رسم ایجاد کرنے کے لیے یا پرانی جاہلانہ رسموں کو جاری رکھنے کے لیے کوئی بہانہ مل سکتا ہے۔ پھر اگر کسی جگہ ایک بال کی نوک کے برابر بھی کوئی اشارہ مل گیا تو اس پر ایک پہاڑ برابر عمارت تعمیر کر ڈالی گئی۔ لوگ اپنی جگہ خوش ہیں کہ اسلام میں تہواروں اور رسموں کی جو کمی تھی اس کو انھوں نے پورا کر دیا ہے۔ حالانکہ دراصل انھوں نے اپنی جہالت سے وہ ساری بیڑیاں پہن لی ہیں جو اللہ نے اپنے نبی کے ہاتھوں سے کٹوا دی تھیں، اور اپنے آپ کو پھر اُس جال میں پھانس لیا ہے جس میں پھنس کر دنیا کی کوئی قوم کبھی نہ اُبھر سکی۔

قرآن کی ایک تشبیہ

جناب محمد رفیق چودھری صاحب

قرآنِ حکیم نے اپنی دعوت کو انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں پیش کرنے کے لیے بہت سے ادبی محاسن ـــــ تشبیہہ، استعارہ، تمثیل، کنایہ، تجنیس، مجازِ مرسل، لف و نشر اور مراعات النظیر وغیرہ ـــــ سے خوب کام لیا ہے۔ اِس پہلو سے قرآن مجید کے اسالیبِ بیان میں وہ اعجاز موجود ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے کلامِ انسانی قاصر ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۸۸)

(اے نبیؐ) تم کہو کہ اگر سارے انسان اور جن اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

سورۂ بقرہ میں قومِ بنی اسرائیل کی داستانِ عبرت کے ضمن میں ایک ایسی ہی بلیغ تشبیہ دی گئی ہے جس سے بڑھ کر کسی تشبیہ کی بلاغت کا تصور مشکل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا اُن سے بھی

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً ط وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ ط وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْہُ الْمَآءُ ط وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ط وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ہ (البقرہ۔ ۷۴)	سخت تر۔ اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ اُن سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اور بعض ایسے کہ جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی بہنے لگتا ہے اور بعض ایسے کہ خوفِ الٰہی سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

اہم الفاظ کی تحقیق اس تشبیہ کو سمجھنے کے لیے قَسَتْ، قُلُوْبُکُمْ اور اَلْحِجَارَۃ کے اہم الفاظ کی تحقیق اور تشریح ضروری ہے:-

قَسَتْ: قَسَا، یَقْسُوْ، قَسْوَۃً سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ "قَسَا" کے معنی ہیں صلب، غلظ یعنی سخت ہونا، ٹھوس بن جانا، درشت ہونا، سکڑنا، منجمد ہونا، اس لفظ کے مادے — ق س و — میں سختی، قوت، اجتماع اور صلابت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ سنگدلی کو قَسْوَۃُ الْقَلْب کہتے ہیں۔ ایسی سخت زمین جس میں کچھ نہ اُگے، اَرْضٌ قَاسِیَۃٌ[1] کہلاتی ہے۔ انتہائی سنگدل شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ھُوَ اَقْسٰی مِنَ الصَّخْرِ[2] (وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے)۔ حَجَرٌ قَاسٍ[3] سخت اور ٹھوس پتھر کو اور لَیْلَۃٌ قَاسِیَۃٌ سخت اندھیری رات کو کہتے ہیں۔ قَسَا قَلْبُہٗ، اے صلب غلظ[4] (اس کا دل سخت ہو گیا)۔

ابن ابی امیہ کا شعر ہے ؎

اطرافہ نعقد من لینہ وقلبہ کالحجر القاسی

اس کی انگلیاں اُس کی نرمی کے سبب سے بندھی ہوتی ہیں، اور اس کا دل سخت پتھر کی طرح ہے۔

---

[1] اقرب الموارد [2] الاساس [3] لسان العرب [4] اقرب الموارد

قُلُوبُكُمْ: قلوب قلب کی جمع ہے اور کُم ضمیر مجرور متصل ہے، صیغہ جمع حاضر مذکر ہے۔

عربی میں قلب (بطور مصدر) کے تین بنیادی مفہوم ہیں۔

۱۔ کسی چیز کا ایک رُخ سے دوسرے رُخ پہ پھرنا:۔ قَلَبَهُ کے معنی ہیں: حَوَّلَهُ عن وجهه[۱] (اس نے اس کا رُخ پھیر دیا)، رَدَّهُ من جهة الی جهة[۲] (اس نے اسے ایک رُخ سے دوسرے رُخ موڑ دیا)۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ	(اے نبیؐ) ہم دیکھتے ہیں تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا۔
(البقرہ - ۱۴۴)	

۲۔ ہر خالص شے: عربی میں خالص عربی النسل شخص کو عربیٌ قلبٌ کہتے ہیں۔ صحیح النسب شخص کو رجلٌ قلبٌ کہا جاتا ہے۔

۳۔ کسی چیز کا بہترین اور گرانقدر حصّہ: کھجور کے درخت کے گابھے کو قلبُ النخلة کہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کا مغز اور جوہر ہوتا ہے۔ قلب الجیش لشکر کے درمیانی حصّے کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سپہ سالار کا مقام و مرکز ہوتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے دل کو بھی قلب کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسانی جسم میں بہترین حصّہ ہے۔ عربی میں دل کے لیے فؤاد کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ لیکن قلب اس سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا اطلاق عقل و شعور پہ بھی ہوتا ہے، کیونکہ عقل و شعور انسان کا قیمتی جوہر ہے۔ انگریزی زبان میں (MIND) کا لفظ اِسی مفہوم کا حامل ہے۔

خود قرآن مجید میں بھی قلب کا لفظ عقل و شعور کے معنوں میں آیا ہے۔ سورۂ قٓ

---

[۱] اقرب الموارد

[۲] ابن فارس

آیت ۳۷ میں ہے کہ:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی	بے شک اس واقعے میں بڑی عبرت ہے
لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی	ہر اُس شخص کے لیے جس کے پاس دل ہو
السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔	یا وہ متوجہ ہوکر کان ہی لگا دے۔

اِسی طرح سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں یہ الفاظ آئے ہیں:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا   اُن کے دل ہیں، مگر وہ سمجھتے نہیں۔

ایک اور مقام پر سورۂ حج آیت ۴۶ میں آیا ہے کہ:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ	کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں
فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ	کی تاکہ ان کے دل سوچتے
بِهَا۔	سمجھتے۔

اَلْحِجَارَة ۔ یہ حَجَر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "پتھر" ۔عربی زبان میں مصدر حجر حا کی تینوں حرکات سے آتا ہے اور اس کے معنی المنع کے ہوتے ہیں یعنی منع کرنا، روکنا، حفاظت کرنا۔ جن عربی الفاظ کے مادّہ اصلیہ میں حا اور جیم جمع ہوں، ان میں بالعموم روکنے اور منع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ حجب، حج اور حجز تینوں میں روکنے اور منع کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ امام راغبؒ کے نزدیک سورۂ بقرہ آیت ۲۴ کے الفاظ۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ   اس دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں آدمی اور پتھر

یہاں الحجارہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دعوتِ حق کو قبول کرنے میں پتھروں کی طرح سنگ دل واقع ہوئے ہیں۔

عربی زبان میں پتھر کے لیے جس قدر الفاظ موجود ہیں ان سب میں سختی، شدت، بے حسی، جمود اور پائیداری و استواری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا پتھر کے مفہوم کی تعبیر یہ ہے کہ وہ سخت اور شدید ہے، بے حس و حرکت ہے۔ جذبے، تاثر اور احساس سے یکسر عاری ہے اور خارجی عوامل سے بہت کم اثر پذیر ہوتا ہے۔

پتھر کی اسی تعبیر کو عربی ادب میں اختیار کیا گیا ہے۔ عمرو بن بلقط الطائی کا

شعر ہے:

وحوادث الایام لا یبقیٰ لها الا الحجارة

(اور زمانے کے حوادث تو زمانے کے لیے پتھروں کے سوا کچھ نہیں چھوڑتے)

سلم بن عمرو بن عطار کہتا ہے:

یلین ما لا ارید رقته وقلب من اشتهیه کالحجر

(میں جس کی نرمی نہیں چاہتا وہ نرم ہوتا ہے اور جسے میں چاہتا ہوں اس کا دل پتھر کی طرح ہے)۔

پتھر کی یہی تعبیرات ادبیاتِ عالم میں موجود ہیں۔ اردو ادب میں بھی اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ غالب کہتا ہے:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

علامہ اقبال کا شعر ہے:

آزاد کی رگ سخت ہے مانندِ رگِ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانندِ رگِ تاک

قساوتِ قلبی کیا ہے؟ آیت زیرِ نظر میں جس "قساوتِ قلبی" کا ذکر ہے۔ اس کی حقیقت

کیا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عطا کی ہیں ، اس میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی صلاحیت استعمال میں نہ لائی جائے یا اُسے بے محل استعمال کیا جائے تو وہ بتدریج کم ہو کر بالآخر معدوم ہو جاتی ہے ۔ یہی حال انسان کے فہم و تدبر کی اُس صلاحیت کا ہے ، جو حقائق و واقعات کو سمجھتی اور ان سے تاثر لیتی ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی امرِ واقعہ اور قولِ حق سے مسلسل اعراض و انکار کا رویہ اختیار کرے تو ایک وقت آتا ہے جب اس کے دل میں اس حقیقت اور سچائی کے خلاف ایک ضد اور چِڑ سی پیدا ہو جاتی ہے ۔ جو آگے چل کر تنفّر اور ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فہم و تدبر کی وہ صلاحیت بالکل ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے ۔ قساوتِ قلبی کی وجہ سے انسان فہم و تدبر کی صلاحیت سے محروم ہو کر امرِ حق کی تکذیب کرنے پہ اَڑ جاتا ہے ۔ پھر ایسے شخص کو دوپہر کی تیز دھوپ میں سورج تو نظر نہیں آتا ، مگر ماہ و پروین ضرور نظر آجاتے ہیں ؎

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں

ساری دُنیا کے لیے دو اور دو کا مجموعہ چار ہوتا ہے ، مگر ایسے شخص کے لیے دو اور دو کبھی تین اور کبھی پانچ ہوتے ہیں ۔

قرآنِ حکیم نے دعوتِ حق کی مخالفت کرنے والوں کو ایک جگہ جانوروں سے تشبیہ دی ہے ، بلکہ اُن کو جانوروں سے بھی فروتر قرار دیا ہے ۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف - ۱۷۹) وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے !

ایک دوسرے مقام پہ دعوتِ حق کو نہ سُننے اور اس سے اعراض کرنے والے شخص کو "مردہ اور بے جان" کہا ہے ۔ سورہ رُوم آیت نمبر ۵۲ میں ہے کہ :

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى پس (اے نبیؐ) ، تم اپنی دعوت ان مُردوں کو

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ — تو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں کو جبکہ
اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ — وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔

گویا مخالفینِ حق چلتے پھرتے لاشے ہیں جن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی۔ بقول حفیظ جالندھری ؎

چلتے پھرتے ہوئے لاشوں سے ملاقاتیں ہیں
زندگی کشف و کرامات نظر آتی ہے

قرآنِ حکیم ان کور ذوقوں اور عقل کے اندھوں کی کیفیات یوں بیان کرتا ہے کہ "اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی"، "اُن کے دل سخت ہو گئے"، "اُن کے دل اندھے ہو گئے"، "اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے"، "اُن کے دل ٹیڑھے ہو گئے"، "اُن کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں"، "اُن کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں"، "اُن کے دل غافل ہیں" وغیرہ ذالک۔

قرآن حکیم کی یہ ساری تعبیریں اپنے لفظی اختلاف کے باوصف معنوی طور پر ایک ہی مفہوم رکھتی ہیں۔ جو لوگ دعوتِ حق کے جواب میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے اور اُن کا یہ عدمِ تفکر مسلسل جاری رہتا ہے تو ایک وقت آتا ہے جب غور و تفکر کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور قبولِ حق کی استعداد ہی باقی نہیں رہتی۔

البتہ قرآنِ حکیم نے اس صورتِ واقعہ کو کبھی انسان کی طرف منسوب کیا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی جانب۔ قرآنِ حکیم نے انسان کو اس حالت کا ذمہ دار اور جوابدہ اس لیے ٹھہرایا ہے کہ اسے بہرحال اللہ تعالیٰ نے ارادے اور اختیار کی آزادی دے رکھی ہے جسے وہ نیکی اور بدی دونوں راہوں پر چلنے کے لیے آزادانہ طور پر استعمال کر سکتا ہے اور اسی شعوری انتخاب اور آزادانہ ارادے کے نتیجے میں نیکی اور بدی کے لحاظ سے ہر انسان جزا و سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض اوقات انسانی اعمال کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ انسان باوجود اپنے آزاد ارادے کے اپنی خواہشات اور تمناؤں کو از خود عملی جامہ نہیں پہنا سکتا اور عمل کی ساری توفیق صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اعمالِ انسانی کو انسان اور خدا دونوں کی طرف منسوب کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔

اِس مقام پر قساوتِ قلبی سے متعلق چند آیاتِ قرآنی کے حوالے دیں گے، جن سے یہی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

سورۂ مائدہ آیت ۱۳ میں ہے کہ:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۔

اُن (بنی اسرائیل) کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

گویا پہلے تو بنی اسرائیل نے اللہ سے باندھے ہوئے پختہ عہد کو توڑنے کا جرم کیا۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل نے ان پر اپنی رحمت و ہدایت کے دروازے بند کر دیے۔

سورۂ صف آیت ۵ میں ہے کہ:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ

جب اُنھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے بھی اُن کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔

گویا کج روی کے مرتکبین کے لیے راہ حق مسدود کر دی گئی۔

اسی طرح سورۂ نساء آیت ۱۵۵ میں ہے کہ:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

اُن (بنی اسرائیل) کی طرف سے عہد توڑنے، اللہ کی توفیق سے انکار کرنے، نبیوں کو ناحق قتل کرنے، اور ان کے اس قول کہ "ہمارے دل محفوظ ہیں" کے بعد اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ پس ان میں سے بہت ایمان لائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی مسلسل عہد شکنی، اُن کی طرف سے آیاتِ الٰہی کا انکار، ان کا انبیاء کرام کو قتل کر ڈالنا اور اُن کا "ملفوف دلی" کے غرّے میں آنا، ایسے بڑے جرائم تھے، جن کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دی کہ اب ان کے لیے دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہونا ممکن نہیں رہا۔ اسی طرح سورۂ منافقون آیت ۳ میں ہے کہ:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ٥

یہ لوگ حقیقتِ ایمان کو پا لینے کے بعد اس سے روگرداں ہوئے۔ اس جرم کے نتیجے میں اللہ نے اُن کے دلوں پہ مہر لگا دی اور ان سے غور و فکر کی صلاحیت سلب کر لی۔

اور سورہ حدید آیت ۱۶ میں ہے کہ:

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اہل کتاب پر ایک عرصہ تک نا فرمانی کرتے رہے اور پھر ان کے دل سخت ہو گئے۔

اور سورہ مطففین آیت ۱۴ میں ہے کہ:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥

ہرگز ایسا نہیں، بلکہ اُن کے اپنے کسب کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود کر دیئے گئے۔

مطلب یہ ہے کہ اُن کے پے در پے بُرے اعمال کی سیاہی اُن کے دلوں پہ چھا گئی ہے۔ اب ان دلوں کو نیکی کی شمع سے منوّر ہونا نصیب نہیں۔

ایسی قساوتِ قلبی کو ایک حدیث میں " اللہ سے دُوری" کہا گیا ہے۔ اور اس کا سبب وہ کثرتِ کلام ہے جو یادِ الٰہی سے خالی ہو۔ جامع ترمذی میں ہے کہ:

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تکثروا الکلام بغیر ذکر الله فان کثرة الکلام بغیر ذکر الله قسوة للقلب، وان ابعد الناس من الله القلب القاسی۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسی زیادہ گفتگو نہ کرو جو اللہ کی یاد سے خالی ہو۔ کیونکہ اللہ کی یاد سے خالی گفتگو کی زیادتی دل کو سخت بنا دیتی ہے اور (اللہ کی رحمت) سے دُور ترین شخص وہ ہے جس کا دل سخت ہو۔

ایک اور حدیث میں نہایت بلیغ انداز میں " دل کے اس زنگار" کی پوری کیفیت

بیان ہوئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن المؤمن اذا اذنب کانت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب ونزع و استعتب صقل قلبہ و ان زادت حتی تعلو قلبہ فذلك الران الذی قال اللہ تعالیٰ: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (رواہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مومن کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے سبب سے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو اس کے دل کا وہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُن کی سیاہی اُس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے تو یہی وہ رَین یعنی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ "ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر اُن کے اعمال کی سیاہی چھا گئی ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں راسخ العلم اور اہلِ بصیرت کی زبانوں پر جو دُعا جاری ہوئی ہے اُس میں ہدایت یافتہ دلوں کی سلامتی اور راہِ ہدایت پر قائم رہنے کی طلب کی گئی ہے۔ اور انہیں کج روی سے بچانے کی استدعا کی گئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا...... (آل عمران آیت ۸)

اے ہمارے پروردگار! ہدایت عطا ہونے کے بعد ایسا ہو کہ ہمارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ پیدا نہ ہو۔

اِسی طرح صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقمؓ کی وہ روایت ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دل سے پناہ مانگی ہے جس میں خشیت اور انابت الی اللہ نہ ہو۔

...... اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ — اے اللہ! مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں
مِنْ قَلْبٍ لَا تَخْشَعُ...... — ایسے دل سے جس میں خوفِ خدا نہ ہو۔

اب ذرا زیرِ بحث آیت میں قومِ بنی اسرائیل کے دلوں کی جس سختی کا ذکر ہوا ہے۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ قوم یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے تک پورے ڈھائی ہزار برس کے عرصے میں انبیاء کرام کی دعوتِ حق سے مسلسل انحراف کرتی رہی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں عطا کی تھیں جو کسی اور قوم کے حصّے میں نہیں آئیں۔ اسے لشکرِ فرعون سے بچانے کے لیے بحرِ قلزم کا سینہ چھلنی کیا گیا۔ صحرائے سینا کی چلچلاتی دھوپ میں اس کی خاطر بادلوں کے سائبان تانے گئے۔ اس کی خوراک اور طعام کے لیے مَنّ و سلویٰ کا دسترخوان بچھایا گیا۔ اس کی پیاس بجھانے کے لیے پتھر کی چٹانوں سے پانی کے چشمے نکالے گئے، اس کی ہدایت کے لیے الواحِ توریت نازل کی گئیں، اس کی رہنمائی کے لیے پے درپے انبیاء کرام مبعوث کیے گئے۔

مگر ان تمام تر انعاماتِ الٰہیہ کے باوجود ان لوگوں کا رویّہ کیا رہا؟

یہ لوگ فراعنۂ مصر کی غلامی سے نجات پانے کے فوراً بعد بُت پرستی کی طرف جُھک گئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو بچشمِ سر دیکھنے کی شرط لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو اُن کی زبانیں سوال در سوال کے لیے کُھل گئیں۔ انہوں نے سامری کے ایک اشارے پر گائے کی پرستش کرنی شروع کر دی، مگر ہارون علیہ السلام کی دعوتِ توحید پر کوئی کان نہ دھرا۔ انہوں نے حدود اللہ کو توڑا اور حلال و حرام کی تمیز مٹا دی۔ خدا کی کتاب توریت میں من مانی تحریفیں کر ڈالیں —— یومُ السبت یعنی ہفتے کے بارے میں حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کی اور شریعتِ الٰہیہ میں حیلہ سازی کی بدعت ایجاد کی۔ انہوں نے ہدایت الٰہی سے منہ موڑا اور جادوگری کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبیوں کو مشقِ ستم بنایا اور ان میں سے بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔ خوفِ الٰہی کے بجائے ان کے دلوں پر خوفِ مرگ طاری ہوا۔ اُنہوں نے دُنیا پرستی اور آخرت فراموشی اختیار کی۔ اپنے آپ کو اس غرّے میں مبتلا کیا کہ جنّت میں سوائے اُن کے کوئی اور داخل نہ

ہو سکے گا - رہا دوزخ کا عذاب تو وہ اُن کے بڑے سے بڑے مجرم کے لیے بھی چند روزہ سے زیادہ مدت کے لیے نہیں ہوگا - اس قوم نے "یہودیت" ہی کو معیار ہدایت قرار دے کر تمام غیر یہودیوں کو گمراہ کیا - اور انبیاء علیہم السلام اور اہلِ حق کی ہر دعوت کا جواب " قُلُوْبُنَا غُلْفٌ " "ہمارے دل تو محفوظ ہیں" کے منفی انداز میں دیا -

بنی اسرائیل کے یہی وہ جرائم تھے جن کے مسلسل ارتکاب نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا تھا - کسی کی طرف سے معمولی ہمدردی اور تحفے پر ہر انسان کی گردن جذبۂ شکر و امتنان سے جُھک جاتی ہے - مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور بے مثال بخشائشوں سے متمتع ہونے کے باوجود ناقدری اور ناشکری کی تصویر بنے رہے - وہ کلامِ الٰہی جو اگر پہاڑوں پر نازل ہو جاتا تو وہ بھی خشیتِ الٰہی سے پھٹ جاتے اور ریزہ ریزہ ہو جاتے - مگر ان لوگوں کے اصنامِ قلوب کو نرم و گداز اور متاثر نہ کر سکا - بلکہ اُلٹا اس سے اُن کے دل مزید سخت ہو گئے - اور اتنے سخت کہ پتھر بھی اُن کے آگے ہیچ ٹھہرے - پتھروں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے پانی کے چشمے بہہ نکلیں، وہ اگر ٹوٹ جائیں تو اُن سے پانی بہنے لگے، وہ بلندی سے گر کر بھی اپنی ہستی کا ثبوت دے سکتے ہیں، مگر یہ لوگ بالکل مُردہ ہو چکے تھے، زندہ نہ تھے - اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ -

غور کیجیے، قرآن حکیم نے ان لوگوں کے دلوں کو کس سے تشبیہ دی اور پھر اس سے کس طرح کا تاثر پیدا کر دیا - فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ کہ پھر ان تمام آیات و معجزات کے مشاہدے کے بعد بھی تمہارے دل نرم پڑنے کی بجائے سخت ہو گئے - دلوں کی سختی کو پتھروں سے تشبیہ دی اور اس میں تشبیہ کے ادات و ارکان بیان کر دیئے - ھِیَ (قُلُوْبُکُمْ) یہاں مشبّہ ہے اور اَلْحِجَارَۃُ مشبہ بہ، قساوت وجہ شبہ، کے (کاف)، حرفِ تشبیہ اور قساوتِ قلبی غرضِ تشبیہ ہے - اس کے ساتھ ہی قرآن مجید نے مزید فرمایا کہ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً (بلکہ اُن سے بھی سخت تر) گویا بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی پتھروں کی سختی کے برابر نہ رہی بلکہ اُن سے بھی زیادہ ہو گئی - ان قرآنی الفاظ کے ایک اور معنی کے لحاظ سے اُن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت چیز

مثلاً لوہے وغیرہ کی طرح سخت ہو گئے — بہر حال ان دونوں مطالب میں سے ہر ایک نے پتھر کی مذکورہ تشبیہ کے تاثر کو دو آتشہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید نے پتھروں اور چٹانوں کے بعض خواص بھی بیان کر دیئے کہ وہ اپنی سختی اور صلابت کے باوجود کچھ "نرم گوشے" بھی رکھتے ہیں۔ ان کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی کہ يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ۔ یعنی اُن سے پانی کے چشمے اُبل پڑتے ہیں۔ کوہستانی علاقوں میں یہ چیز عام مشاہدے میں آتی ہے کہ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پہ سنگلاخ چٹانوں کے اندر سے فوارے کی مانند اُچھلتا ہوا پانی نظر آتا ہے۔ پھر پتھروں کے بیچوں بیچ اپنے لیے راہ نکالتا ہوا دامنِ کوہسار میں ندی کی صورت میں بہتا ہے۔

دوسری خاصیت یہ مذکور ہوئی کہ انہی پتھروں میں نرم و گداز ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ۔ یعنی کبھی کبھی وہ پتھر ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی پتھروں میں شگاف پڑ جاتے ہیں یا ان میں کسی طرح کوئی سوراخ یا دراڑ پیدا ہو جاتی ہے تو اُن کے اندر سے پانی رِس رِس کر باہر نکل آتا ہے۔

پھر انہی پتھروں کے بارے میں فرمایا کہ يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ یعنی وہ خشیت الٰہی سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ جب کبھی پہاڑوں کی بلندی سے کچھ پتھر خود بخود نیچے لڑھکتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو قانونِ طبیعی مقرر کر دیا ہے اس کی تعمیل و اطاعت میں وہ اس قدر مستعد اور مطیع واقع ہوتے ہیں کہ جیسے اُن پر اللہ کی نافرمانی کے خوف سے رعشہ طاری ہوا اور وہ نیچے آگریں۔

پھر آگے چل کر پتھروں اور بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا کہ پتھروں پہ اُن کی سختی کے باوصف حرکت، تاثر، خستگی اور خود گدازی کی بعض کیفیات وارد ہو سکتی ہیں، مگر بنی اسرائیل کے دل ان کیفیات سے یکسر محروم ہیں۔ جو قوم اشرف المخلوقات تھی وہ اب اسفل السافلین کے مقام پر گر چکی ہے۔ اندازہ کیجیے کہ اس تقابل کے بعد سختی کا پلڑا بنی اسرائیل کے دلوں کی جانب کتنا جھک گیا ہے اور یہ تشبیہ اپنے معنوی تاثر کو کہاں سے کہاں لے گئی ہے!

دراصل بنی اسرائیل کے انقلابِ حال سے متعلق یہ قرآنی تشبیہ کسی مبالغہ آرائی یا شاعری پر

بنی نہیں ہے بلکہ تمام تر صورتِ واقعہ یہی ہے۔ بنی اسرائیل صحرانوردی کے دوران میں خود اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ کس طرح پتھر کی ایک چٹان سے پانی کے بارہ چشمے چھوٹے اور انہوں نے بچشم سر کوہِ طُور کے ایک حصّے کو تجلیٔ ربّانی کے باعث ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس طرح جب قرآن نے بنی اسرائیل کے واقعات ہی کو تشبیہ کے انداز میں ان کے سامنے پیش کر دیا تو اُن کے لیے انکار و تمرّد کی گنجائش کہاں باقی رہی۔

اسی طرح قرآنِ حکیم نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ پتھروں میں ان کی سختی اور صلابت کے باوجود زندگی کا ایک لطیف احساس پایا جاتا ہے جو حرکت، تاثر اور تغیر سے عبارت ہے اور جو کسی حال میں بھی ان سے منفک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بنی اسرائیل مُردہ ہو چکے اور ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی۔ اب اُن کے لیے کسی نبی کی ہدایت، کسی کتاب کی تعلیم اور کسی حکیم کی نصیحت کارگر اور مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اب صُورِ اسرافیل کے سوا کوئی انہیں جگا نہیں سکتا۔ پتھر اپنے اندر سے پانی کے چشمے بہا سکتے ہیں، مگر بنی اسرائیل کے دلوں کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ پتھروں کی رگوں کے اندر سے حیات بخش پانی کے فوارے چھوٹ سکتے ہیں مگر بنی اسرائیل کے جسم کی شریانوں میں زہر بھر چکا تھا۔ اور ان میں رُوحانی زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہے۔ پتھروں میں اثر پذیری کی وہ صلاحیت پائی جاتی ہے جس سے ان میں ایک بے نام احساس موجود رہتا ہے۔ مگر بنی اسرائیل کی بے حسی پہ ہوا میں اُڑنے والے پرندے، پانی میں تیرنے والی مچھلیاں اور بلندی سے لڑھکنے والے پتھر بھی ماتم کناں ہیں۔ وہ قوم ایسے مقام پر پہنچ چکی تھی کہ اس کا وجود اور عدم برابر ہو گیا تھا۔ اُس کی حیثیت گھاس کے ایک تنکے، ریت کے ایک ذرّے اور پانی کے ایک قطرے سے زیادہ نہ رہی تھی، کیونکہ گھاس کے تنکے بھی جمع ہو کر تعمیرِ آشیاں کر سکتے ہیں۔ ریت کے ذرّے جمع ہوں تو صحرائے اعظم بن سکتا ہے۔ اور پانی کے قطرے اکٹھے ہو کر بحرالکاہل کو موجزن بنا سکتے ہیں ــــ مگر بدبخت بنی اسرائیلیوں کی بھیڑ سوائے جہنم کا ایندھن بننے کے کسی کام نہیں آ سکتی۔

بنی اسرائیل کے اس آئینے میں آج ہم اپنی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں!

ابراہیم نخعیؒ

شخصیت اور کردار

از جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

زبان سے بے اختیار نکلا ـــــ ایسا کڑا وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ سُننے والے گردنیں ڈالے خاموش بیٹھے رہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیم فرما رہے تھے، سچ تھا۔

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی (ن خ ع ی)، کوفے کے ممتاز تابعین میں شمار تھا۔ کیا علم اور کیا عمل دونوں میں طاق تھے۔ گھرانا بھی ایسا کہ مشکل سے اس کی نظیر ملتی ہے۔ حضرت اسودؒ ماموں تھے اور حضرت علقمہؓ چچا۔ دونوں بہت بڑے محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ لڑکپن ہی میں وہ انہی دونوں کے ساتھ حج پہ جایا کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ جب وہ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلام کو گئے۔ ان سے باتیں کیں اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ ـــــ حضرت ابراہیم فقہی گتھیوں کو سُلجھانے میں کمال رکھتے تھے۔ حدیث کے وہ ممتاز حافظ تھے۔ تفسیر پہ گہری نظر تھی لیکن بہت کچھ جان کر بھی کبھی دکھاوے اور بڑائی کے لیے علمی مسائل پہ بحث نہ کرتے۔ ہاں! کوئی پوچھتا تو بتلاتے اور خوب اس کا دامن علمی نکات سے بھر دیتے۔ بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھتے۔ علمی ذمہ داری کا اس درجہ احساس تھا کہ فرماتے ـــــ جس کا جی چاہتا ہے آج مفسر بن بیٹھتا ہے۔ کل تک

تو ہمارے بزرگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

علم کی کمی آدمی میں غرور پیدا کرتی ہے اور علم کی زیادتی انکسار۔ ہمارے کالجوں اور جامعات میں جو بچے ذرا بولنے میں اچھے ہوں یا ایک دو شعر موزوں کر لیں یا ایک دو کہانیاں لکھ لیں، بس پھر ان کے دماغ ساتویں آسمان سے نیچے آتے ہی نہیں۔ کوئی اپنے آپ کو بوعلی سینا یا البیرونی سے کم نہیں سمجھتا۔ خود نمائی کا ہنر ہماری نئی نسل نے اس اہتمام سے اپنایا ہے کہ خالی ڈھول کی طرح پھول رہے ہیں۔ ان کے لباس ان کے عادات و اطوار، ان کی تمنائیں اور تخیلات سب نمائشی ہیں۔ ان کی رہی سہی کسر اخبار اور رسالے پوری کر دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں شہرت کی تمنا بھوت کی طرح سر پر سوار رہتی ہے۔ جب اخباروں میں نام آنے لگے اور تصویریں چھپنے لگیں تو یہ بچے جن کی زندگی کی ابھی ابتداء ہے اپنے آپ کو کسی بڑے عالمی سیاست دان سے کم نہیں سمجھتے۔ اگر خوش قسمتی سے یہ صاحبزادے کسی درس گاہ میں یونین کے صدر ہوئے یا کسی ادارے کے عہدہ دار تو بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ مسلم لیگ کی صدارت کر کے اور پاکستان بنا کے قائداعظم کو بھی شاید اپنی ذات کی اہمیت کا وہ احساس نہ ہوا ہو، جس کا مظاہرہ ان بچوں کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے۔

ہمارا ملک گندی سیاست کا اکھاڑہ تو ہے ہی، جامعات کی فضا بھی اس درجہ گھٹی ہوئی اور گندی ہے کہ کوئی کل سیدھی ہی نہیں۔ جس روز کا اخبار اٹھا لیجیے اس میں کہیں نہ کہیں یہ خبر پڑھنے میں آئے گی کہ بچوں نے درس گاہ کی انتظامیہ کو بے دخل کر دیا اور خود ہر چیز پر قابض ہو گئے۔ اس میلان کو اگر سختی سے کچلا نہ گیا اور طالب علموں نے حصولِ علم سے زیادہ زور دوسری باتوں پر دینا شروع کر دیا تو جو بچے درس گاہوں سے نکلیں گے ان میں نظم و ضبط کا تصور سرے سے باقی ہی نہ رہے گا۔

ایسی سیاسی تنظیمیں جو طالب علموں کے مستقبل پر نظر نہیں رکھتیں وہ ملک و ملت کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں؟ اب تو طالب علموں میں تشدد کی ایسی لہر اٹھی ہے کہ الامان! الحفیظ! جن ہاتھوں میں قلم تھے ان میں کلاشنکوف تھما دی گئی ہے۔ یہ بھی اس دور کی گردہی سیاست کا ایک تماشا ہے یا بیرونِ ملک کے تخریب کار اداروں کا عطیہ ہے۔ سوچیے کہ جب درسگاہوں

میں تعلیم ہی نہ ہو سکے گی تو کیا اچھے محقق، اچھے سائنسدان، اچھے انجینئر یا اچھے معلّم پیدا کرنے میں ہم دوسری قوموں سے اتنے پیچھے نہ ہو جائیں گے کہ عالمی توازنِ قوت میں ہمارا کوئی مقام ہی نہ ہو گا۔ جب نئی پود محنت سے بھاگے گی اور فطرت میں بے قاعدگی سما جائے گی تو ملک کا دفاع بھی کمزور ہو جائے گا اور ہم اپنی آزادی کی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے۔ یہ مایوسی کی بات نہیں یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ آخر کیوں ہم کم نظر، کم سواد اور کم ظرف رہنا چاہتے ہیں؟ ہم نہ مشرق کے ہیں نہ مغرب کے۔ جسے دیکھو باتیں بنانے کے فن میں اُستاد ہے۔ کافی ہوز یا چائے خانوں میں بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کر کے بحث و تکرار میں پڑ جانا بہت آسان کام ہے۔ اس طرح کوئی ابوحنیفہؒ کوئی غزالی کوئی ابن تیمیہ پیدا نہیں ہوتا۔ علم محنت سے آتا ہے۔ جسے علم کی لگن ہو وہ سستی شہرت کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ وقت آنے پر شہرت خود اُس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

حضرت ابراہیم کا علم دریا کی طرح ٹھاٹھیں مارنے والا تھا۔ لیکن وہ سمندر کی طرح خاموش رہتے تھے۔ وہ شہرت اور دکھاوے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوئی اگر ایک کلمہ بھی اِس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو جہنم کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب تک سوال نہ ہوتا وہ کسی علمی بحث میں دخل نہ دیتے۔

حدیث و فقہ دونوں کے امام تھے۔ امام بھی ایسے کہ بات ان پر ختم سمجھی جاتی۔ فقہ پر ان کی نظر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ امام شعبیؒ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ —— ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ نہیں چھوڑا۔ وہ انہیں امام حسن بصری اور امام ابن سیرین پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پکڑ کے قائل نہ تھے۔ اپنے شاگردوں کو فروعات میں اُلجھنے سے روکتے تھے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں آ کر مسجدوں پر تالے ڈال دیتے ہیں اور مخالف نقطۂ نظر کے حامل ثقہ سے ثقہ عالم دین کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔

روایت حدیث میں وہ الفاظ سے زیادہ مفہوم کی صحت کا خیال رکھتے تھے اور کسی بات کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے سے پہلے بڑی چھان بین سے کام لیتے

تھے - ان کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ابن معینؒ جیسی شخصیت نے امام شعبیؒ کی مُرسل حدیثوں پر ان کی مرسل روایتوں کو ترجیح دی -

سلاطین اور امراء میں اللہ تعالیٰ کی محبت دیکھتے تو ان سے ملتے جُلتے تھے - ان کے تحائف بھی لے لیتے لیکن اُن سے بڑھ کر اپنی طرف سے تحائف بھیجتے - دربارداری اور اثرورسوخ کے لیے علم اور ریاضت کی سوداگری کو سخت بُری نظر سے دیکھتے تھے - حکمرانِ وقت انصاف کو پامال کرتا تو پھر اُسے کبھی معاف نہ کرتے تھے -

ریاکاری سے بہت بچتے تھے - طبقات الاولیاء میں علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ خوش پوش اور جامہ زیب تھے - لیکن فقر و فاقہ شعار تھا - طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تو وہ بہترین حُلّہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد جاتے اور صبح تک عبادت میں لگے رہتے - ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ صبح کو حُلّہ اُتار کر پھر معمول کا لباس پہن لیتے -

امام ذہبی نے انہیں تذکرۃ الحفاظ میں تیسرے طبقے میں شامل کیا ہے - وہ انہیں فقیہہ عراق لکھتے ہیں - حضرت سعید بن جبیرؒ ان کے بارے میں سائلین سے کہا کرتے تھے کہ ---- فتویٰ لینا ہے تو ابراہیم بن زید النخعی (ن خ ع ی) کے پاس جاؤ - میرے پاس کیوں آتے ہو - مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے لوگ حاکم شہر سے گھبراتے ہیں - حضرت اعمش کا بیان ہے کہ ---- ابراہیم راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے اور کبھی ہماری طرف آ نکلتے تو صاف معلوم ہوتا کہ بےحال اور بیمار ہیں - ویسے بھی ان کی بیوی ھنیدہ (ھ ن ی د ہ) کا بیان ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے -

یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے سلام کا فقرہ کہنے سے منع کرتے تھے - فرماتے تھے کہ سلام تو صرف اہلِ ایمان کے لیے جائز ہے - غیر مسلموں سے ان کا مزاج پوچھ لیا کرو - علامہ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب کوئی جانور سواری کے لیے کرائے پر لیتے تو اِدھر اُدھر موڑنا بھی گوارا نہ تھا - کوڑا اگر ہاتھ سے گر جاتا تو اُتر کر پیدل جاتے سواری کو موڑنا خلافِ دیانت سمجھتے تھے -

فرماتے تھے کہ جب بیمار سے اس کا حال پوچھا جائے تو کہے کہ اچھا ہے، پھر اپنی تکلیف

بیان کرے۔ پہلا فقرہ ایذا پر صبر کرنے کا مظاہرہ ہے جو افضل عبادت ہے۔ ادھیڑ عمر کے تھے کہ سن ۹۰ ہ میں حضرت ابراہیم سخت بیمار پڑ گئے۔ آخر وہ دن آیا جو سب پر آتا ہے سانس اکھڑنے سے پہلے سخت بے چین نظر آتے تھے۔ جیسے رہ رہ کر کوئی خیال ان کے ذہن کو ڈس رہا ہو۔ تیمارداروں نے پوچھا — کس بات کی پریشانی ہے — تو فرمایا کہ — عزیزو! ایسا کڑا وقت تو زندگی بھر نہیں آیا۔ بڑے امتحانی لمحے ہیں۔ یہ گزرے تو نہیں معلوم — کہ ابدالآباد تک کہاں ٹھکانا ہوگا — جنت یا جہنم! یہ سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ حشر تک اسی سکرات کی حالت میں رہوں تو بہتر ہے!

یہ اس بزرگ کا حال تھا جس کے عالم باعمل ہونے کی دنیا گواہ تھی!

احادیث کا ادبی رخ

جناب محمد حسین ٹونکی صاحب

كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهُ وَأَصْغَى سَمْعَهُ
وَحَنَى جَبْهَتَهُ - يَنْتَظِرُ مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ (ابوسعید خدری۔ ترمذی)

(ترجمہ) میں عیش و عشرت کی زندگی کیوں کر گزاروں درآنحالیکہ صاحب الصُّور صُور منہ میں لیے، کان لگائے اور پیشانی جھکائے منتظر ہیں کہ کب حکمِ الٰہی ہو اور وہ صُور پھونکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کیا صُورِ اسرافیل سے کچھ کم ہے۔ زندگی میں تہلکہ برپا کرنے والا، قیامت خیز اور اثر انگیز ارشاد ہے، عیش و طرب کے متوالوں اور خوابِ غفلت کے سرشاروں کو چونکانے کے لیے بجائے خود ایک ناقوس ہے۔

كَيْفَ أَنْعَمُ

"میں عیش و عشرت کی زندگی کیوں کر گزاروں"

یہ فعل کس قدر جامع ہے۔ یہ مشقت بھری حیاتِ طیبہ کی تصویر دکھاتا ہے۔ شعب ابی طالب میں قریش کے تین سالہ معاشرتی مقاطعہ کی تصویر، دارالندوہ میں مشورۂ قتل کے لیے قریش کے اجتماع کی تصویر اور پھر ابوجہل کی تجویز پر اتفاق رائے اور تحسین و آفرین کے غلغلہ کی تصویر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیے سراقہ بن مالک کی پیش قدمی کی تصویر، اُس کے گھوڑے کے زمین میں دھنس جانے کی تصویر اور پھر اُسے کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی تصویر، یہودیوں کی اذیتوں کی تصویر کہ کبھی کھانے میں زہر ملا رہے ہیں، کبھی جادو کر رہے ہیں،

کبھی عہد و پیمان توڑ رہے ہیں اور فتنہ و فساد پھیلا رہے ہیں۔ طائف کے بازار میں تبلیغ کے موقع کی خونابہ فشاں تصویر۔ اور غزوہ اُحد میں دندان مبارک کی شہادت کی خونچکاں تصویر۔ واقعات کی کتنی تصویریں (اُنْعِمْ) کے فعلِ واحد میں جمع ہیں۔

جنگ تو ہے ہی جان جوکھوں کا کام۔ ہر جنگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑی یہ ثابت کر دیتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر، ایک اعلیٰ و ارفع اور مکمل انسان، بہترین مدبر اور بہترین مصلح ہی نہیں تھے بلکہ بہترین سپہ سالار بھی تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر قیادت ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی شکست فتح سے بدل جاتی تھی۔

کَیْفَ اَنْعَمُ کے فعل سے غزوات کی دلگداز زندگی بھی نمایاں ہے۔

غزوہ اُحد کی خصوصی تصویر ملاحظہ کیجیے۔

کوہِ اُحد لشکرِ اسلام کی پشت پر ہے۔ پچاس تیر اندازوں کو اُحد کے ایک ٹیلے پر ایسی جگہ کھڑا کیا گیا ہے جہاں سے وہ دشمن کے عقبی اقدام کو روک سکتے ہیں۔ اُنہیں چٹان کی طرح جمے رہنے، جگہ نہ چھوڑنے اور دشمن پر تیر اندازی کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ زیادہ بہادر اور مضبوط لوگوں کو اگلی صف میں رکھا گیا ہے تاکہ پچھلی صفوں کا حوصلہ اُن کے کارنامے دیکھ کر بلند رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی ہمت افزائی اور صبر و ثبات کی تلقین فرما رہے ہیں اور فتح و نصرت کا یقین دلا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک میں تلوار لے کر پوچھ رہے ہیں کہ اس کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ بے شمار ہاتھ اسے لینے کے لیے آگے بڑھے ہیں لیکن تلوار کسی کو نہیں دی گئی۔ ابو دجانہؓ نے پوچھا۔ اس کا حق کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ دشمن پر ایسی ضربیں لگائی جائیں کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ تلوار اُن کو دے دی گئی اور وہ اپنے سر پر سرخ صافہ باندھ کر طمطراق کے ساتھ اکڑتے ہوئے صف سے نکل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبصرے کے طور پر فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سوائے ایسے موقعوں کے یہ غرور کی چال پسند نہیں ہے۔

پہلے مبارزطلبی ہوتی رہی۔ پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ وہ دیکھیے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ دشمن کی فوج میں جا گھسے ہیں اور کشتوں کے پشتے لگا رہے ہیں۔ دشمن کی

صفیں درہم برہم ہو گئی ہیں ۔ ابو دجانہؓ نے دیکھا کہ کوئی شخص مشرکین کو جوش دلا رہا ہے اور خود بھی حملہ کرنے والا ہے ۔ ابو دجانہ اس کا سر اڑانے ہی والے تھے کہ پہچان گئے اور فرمایا ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی توہین ہے کہ اس سے کسی عورت کا سر کاٹا جائے ۔ قریش کی عورتیں ہند کی قیادت میں مقتولینِ بدر کا ماتم کرتی ، دف بجاتی اور رجز خوانی کرتی ہوئی نکل رہی ہیں ۔ بعض عورتیں اپنے اپنے غلاموں کو بیش بہا انعامات کا لالچ بھی دے رہی ہیں ۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے اگرچہ مسلمان غمزدہ ہیں ، مگر وہ دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے ہیں اور صفوں میں افراتفری پھیل گئی ہے ۔ مشرکوں کا بُت جو برکت کے لیے ساتھ لایا گیا تھا ، گر پڑا ہے ۔ مشرکین بدحواس ہو کر بھاگ رہے ہیں ۔ اور مسلمانوں کے تعاقب نے انہیں دُور تک پسپا کر دیا ہے ۔

بیشتر تیر انداز امتثالِ امر سے غافل ہو گئے ہیں اور اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کر رہے ہیں ۔ وہ دیکھو ! نقشۂ جنگ ہی بدل گیا ۔ فتح مبین شکست بن گئی ۔ کامرانی ناکامی سے بدل گئی ۔ سپہ سالارِ اعظم کی نافرمانی مسلمانوں کے لیے جلائے بے درماں بن گئی ۔ خالد بن ولید کی پکار پر قریش کا مفرور اور ہزیمت خوردہ لشکر واپس آ گیا ہے اور پوری شدت سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا ہے ۔ ایسی افراتفری پھیلی ہے کہ مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں ۔

جاں نثاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لے لیا ہے ۔ صرف گنتی کے جاں نثار ہیں ، جن میں حضرت علیؓ ، حضرت ابوبکرؓ ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ، حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت ابو طلحہؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ یہ بڑی بہادری سے سینہ سپر ہیں مشرکین کے وار روک رہے ہیں اور خود حملہ آور بھی ہیں ۔ اُمِ عمارہ مشکیزہ پھینک کر اس شمعِ عالم افروز کے گرد پروانہ وار پھر رہی ہیں ۔ وہ تیر بھی چلا رہی ہیں اور تلوار بھی ۔ حضرت طلحہؓ تلواروں کے وار اپنے ہاتھوں پر روک رہے ہیں ۔ ابو دجانہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے ہیں اور دشمن کے تیر ان پر برس رہے ہیں ۔ سعد بن ابی وقاصؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے ہیں ۔ اور مسلسل تیر اندازی کر رہے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دندان مبارک بھی شہید ہو گئے ہیں ۔ اور زرہ کی کڑیاں رخسار مبارک میں چبھ گئی ہیں ۔

عظمتِ حُسن اندھیرے میں ہے اور عشق دار پر چڑھ چڑھ کر چراغ جلا رہا ہے۔

محبت کی تقدیر میں راحت و آرام کہاں۔ یہ شعلے کی طرح بے تاب اور پروانے کی طرح سرگرداں رہتی ہے۔ آپ خود اندازہ کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانٹوں کے بستر پر ہیں یا پھولوں کی سیج پر۔ خاکستر گرم پر ہیں یا بسترِ نرم پر۔ کَیۡفَ اَنۡعَمُ کے فعل میں معرکۂ اُحد کی یہ خونچکاں تصویر سموئی ہوئی ہے۔

یہودِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام کا قلع قمع کن کن طریقوں سے کیا ہے۔ اُن کی چند تصاویر ملاحظہ ہوں۔

شرانگیز اور فتنہ پرور یہودیوں نے لبید بن اعصم کے ذریعے آپ پر جادو کرایا ہے۔ ایک مومی تصویر بنائی گئی۔ اُس میں سوئیاں چبھوئی گئیں۔ ایک ڈورا باندھا گیا جس میں گیارہ گرہیں دی گئیں۔ پھر اُسے ایک کنویں میں چٹان کے نیچے چھپا دیا گیا۔ اس ساحری کا آپ پر صرف یہ اثر ہوا کہ آپ ناکردہ دُنیوی کاموں کی نسبت خیال کرنے لگتے تھے کہ کر چکے ہیں۔ جادو کا یہ اثر چالیس روز تک رہا۔ آپ نے صحت یابی کے لیے دُعا فرمائی۔ فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو کی ساری تفصیل بتائی۔ آپ کی ہدایت پر حضرت علیؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ نے کنویں سے برآمد کر دہ یہ مومی تصویر بارگاہ نبوت میں پیش کر دی۔ اِسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورہ فلق اور سورۃ الناس نازل فرمائی۔ ان کی ہر آیت کی تلاوت سے ایک ایک گرہ کُھل گئی۔ گڑی ہوئی سوئیاں نکل گئیں۔ اور آپ صحت یاب ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے جادوگر کی سزا کا مطالبہ کیا تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) نے فرمایا۔ "مجھے شفا ہو گئی ہے۔ اب بدلہ لینے کی ضرورت نہیں"۔ کَیۡفَ اَنۡعَمُ کے جامع فعل میں یہود کے اس سازشی منصوبے کی درد انگیز تصویر چھپی ہوئی ہے۔

بنو نضیر نے قتل کے ایک تنازعہ میں دیت کا مسئلہ طے کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے۔ اور خفیہ طور پر آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ آپ بلا خوف وخطر تنازعہ کا فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لے آتے ہیں اور آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا یا گیا ہے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق عمرو بن حجاش دیوار پر

چڑھا بیٹھا ہے اور آپ پر پتھر کی چٹان گرانے ہی والا ہے کہ وحیِ الٰہی نے آپ کو خبردار کر دیا ہے۔ اور آپؐ فوراً اُس جگہ سے ہٹ گئے ہیں۔ یہود کی اذیت کوشی اور منصوبہ قتل کی یہ تصویر بھی کَیْفَ اَنْعَمُ کے فعل سے نمایاں ہو رہی ہے۔

بنی قینقاع کے یہودیوں نے معاہدہ شکنی میں پہل کی ہے۔ وہ کھُلم کھُلا مدینے میں بلوے اور بغاوتیں کر رہے ہیں۔ اور نقضِ امن کے مرتکب ہیں۔ اِسی دوران ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کے بازار میں ایک سُنار کی دکان پر بیٹھی ہوئی ایک زیور بنوا رہی ہے۔ بے خبری کے عالم میں ایک شرانگیز یہودی نے پیچھے سے اُس کی قمیض پیٹھ تک کھول دی ہے۔ وہ دیکھیے عورت کھڑی ہو گئی ہے۔ اور بدنیت یہودیوں کا ٹولہ اُس کی بے پردگی کا مذاق اُڑا رہا ہے۔ اس حیاسوز منظر کو دیکھ کر ایک مسلمان کی جبینِ غیرت پُرشکن ہو گئی ہے۔ اور اس نے شرانگیز یہودی کو قتل کر دیا ہے۔ اور یہودیوں نے مل کر اس غیور مسلمان کو شہید کر دیا ہے۔ یہودیوں کی اس شرارت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک کو پھر درد آشنا کر دیا ہے۔ کَیْفَ اَنْعَمُ کے جملے کا کیمرہ یہ تصویر بھی دکھاتا ہے۔

بنی قریظہ کے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ صلح و دوستی موجود ہے مگر عہد شکن بنی قریظہ مشرکینِ عرب کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے متواتر اُکسا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جنگِ خندق واقع ہوئی ہے اور مکہ کے دس ہزار مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اور بنی قریظہ نے مشرکین کی مدد کی ہے۔ جب انھیں معاہدے کی یاددہانی کرائی گئی تو وہ کہہ رہے ہیں "ہم نہیں جانتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور معاہدہ کیا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کے اِس رویّہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا ـــ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل ـــ اور جب غزوۂ خندق میں مسلمان فتح یاب رہے اور لشکرِ اسلام شہر واپس آیا۔ اسی سہ پہر کو آپؐ نے حکم دیا کہ مسلمان ابھی ہتھیار نہ رکھیں اور فوراً روانہ ہو کر نمازِ عصر بنو قریظہ کے قلعوں کے سامنے پڑھیں۔ بنو قریظہ مقابلے کے لیے قلعہ بند ہو گئے۔ پھر اس شرط پر ہتھیار رکھ دیے کہ سعد بن معاذؓ کو مُنصف مقرر کیا جائے۔ جو فیصلہ وہ کریں گے انھیں منظور ہو گا۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ سعد بن معاذ اور اُن کے قبیلے سے یہودیوں کی پُرانی دوستی رہی ہے۔ اس لیے

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بہت نرم فیصلہ دیں گے۔ مگر ان کی تدبیر اُلٹی ہو گئی۔

تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

سعد بن معاذ نے کہا کہ میں فیصلہ توریت کے مطابق دوں گا۔ اور توریت کا قانون یہ ہے کہ لڑنے والے فسادی قتل کیے جائیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا اور اس فیصلہ کے مطابق چھ یا سات سو یہودی قتل کر دیے گئے۔ اگر بنو قریظہ کے یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بناتے تو شاید اُن کی جان بچ جاتی۔

یہ ہیں یہودیوں کی فتنہ پردازیاں اور آستین کے پروردہ سانپوں کی زہر افشانیاں جنہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام کو مکدّر کر رکھا تھا۔

اپنی مقراضِ تخیل سے صدیوں کے پردوں کو چاک کر کے دیکھیے۔ مدینہ کی جانبِ مغرب کوہستانی سلسلہ کے کنارے کنارے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر خیبر کی سرسبز و شاداب وادی واقع ہے۔ یہ وادی یہود کی قوت و ثروت کا مرکز ہے اور چھ مضبوط قلعوں کے سبب زبردست جنگی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے قرب و جوار میں بنی غطفان کا زبردست قبیلہ آباد ہے، جس کی مختلف شاخیں بنی مُرہ اور فزارہ وغیرہ مدینہ کے قریب تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لوٹ مار کے شائق قبائل غطفان مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے اُونٹوں کو ہنکا لے گئے ہیں۔ اُونٹوں کی حفاظت پر متعین حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو شہید کر کے اُن کی بیوی کو گرفتار کر لیا ہے۔ اس جور و ستم اور نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر سپہ سالارِ اعظمؐ سولہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ تیزی سے خیبر کی طرف بڑھے اور فوجِ اسلام کو قلعوں کے چاروں طرف پھیلا کر اس انداز سے محاصرہ کیا ہے کہ قلعوں کا تعلق ایک دوسرے سے منقطع ہو گیا۔ پہلے حصنِ ناعم فتح ہوا۔ پھر دوسرے قلعے بھی زبردست کشت و خون کے بعد فتح ہوئے، لیکن حصنِ قموص (قلعۃ القموص) جو سردارِ یہود مرحب کا مسکن ہے، کسی طرح فتح نہیں ہو رہا ہے۔ اکابر صحابہ حملہ کر کے ناکام واپس آ رہے ہیں۔

غزوۂ خیبر میں فتح و نصرت اور علم برداری کی سعادت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لیے

مقدر ہو چکی تھی - علم انہیں دیا گیا ہے، فتح کی دعا کی گئی ہے اور یوں ہدایت کی گئی ہے۔

اُدْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ أَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ۔

مرحب بڑے طمطراق سے رجز پڑھتا ہوا فوج سے نکل رہا ہے اور نشۂ قوت سے سرشار ہو کر مبارز طلبی کر رہا ہے۔ یہ پیلِ مست مقبول گیا ہے کہ مقابلہ اُس شیرِ خدا سے ہے جس نے عمرو ابنِ عبدود جیسے پہلوانِ عرب اور عدوئے اسلام کو خاک و خون میں سُلا دیا تھا وہ دیکھیے، ذوالفقار کی بجلی چمکی - ضربتِ حیدری کے کڑاکے سے فوج کے دل دہل گئے اور نقشہ ایسا بدلا کہ جیسے مرحب پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ یہودیوں میں بھگدڑ مچ گئی ہے۔ وہ قلعہ کا پھاٹک بند کرنا چاہتے ہیں، مگر زورِ یداللّٰہی نے دروازہ اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اور فوجِ اسلام قلعہ میں داخل ہو رہی ہے۔ اس طرح چھ برس تک یہود نے جو آتشِ فتنہ و فساد بھڑکا رکھی تھی وہ غزوہ خیبر میں بجھ گئی۔

یہودیوں کی تاریخ قتلِ انبیاء کے واقعات کی تاریخ رہی ہے۔ اس تاریخی پس منظر کی موجودگی میں یہ بات تعجب خیز ہوتی۔ اگر وہ جانِ کائنات کی جاں گدازی کی کوشش نہ کرتے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُکھ بھری حیاتِ طیبہ کی ادنیٰ سی جھلک ہے، جو کَیْفَ ۲ نَعَمْ کے فعل کی وضاحت میں دکھائی گئی ہے۔

(باقی آئندہ)

صقلیہ میں علمائے اسلام کے علمی کارنامے

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

مسلمانوں نے صقلیہ (سسلی) پر ۲۵۰ سال تک حکومت کی اور اس ۲۰۰ سال میں علمائے اسلام نے یہاں فنِ قراءت و تفسیر، فنِ ناسخ و منسوخ، حدیث، اُصولِ حدیث، فقہ، اُصول فقہ، علمِ کلام و مناظرہ، تاریخ، اسماء الرجال، علم الانساب، صرف و نحو، ادب و لغت، عروض اور شاعری میں جو گراں قدر علمی خدمات سرانجام دیں، ان میں سے علومِ قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ سے متعلق مختصراً تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔ (عراقی)

علوم قرآن علومِ قرآن کے تحت فنِ قراءت، تفسیر اور فنِ ناسخ و منسوخ آتے ہیں۔ ان علوم کے متعلق صقلیہ کے علمائے کرام نے جو شاندار علمی کارنامے سرانجام دیئے، وہ ہمارے لیے سرمایۂ صد افتخار اور تاریخِ اسلام کا ایک زریں باب ہیں۔

صقلیہ کے اربابِ کمال مسجدوں میں مسندِ درس بچھاتے تھے، جیسا کہ ابن جبیر کنعانی (م ۶۱۲ھ) لکھتے ہیں کہ: "صقلیہ میں مسجدیں بہت ہیں اور اکثر مسجدیں اساتذۂ قرآن کی خطبہ گاہ ہیں"۔[۱]

---

[۱] رحلۃ ابن جبیر کنعانی (م ۶۱۲ھ) ص ۲۳۳

امام اسمٰعیل بن خلف صقلی (م ۴۵۵ھ) ان کے متعلق مؤرخ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

کان اماماً فی علوم الآداب ومتقناً لفن القرأت[1]

یعنی علومِ آداب کے امام اور فنِ قراءت میں کامل الفن تھے۔

تحصیلِ علم کے سلسلہ میں مصر کا سفر اختیار کیا اور اس وقت کے مشہور مفسر قرآن علی بن ابراہیم سے اکتساب فیض کیا۔ تحصیلِ تعلیم کے بعد واپس صقلیہ آگئے۔ اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ علوم القرآن میں ان کی کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ کتاب العنوان فی القرأت ۲۔ کتاب الاکتفاء فی القرأت ۳۔ کتاب اعراب القرآن
۴۔ المختصر کتاب الحجۃ فی القراءۃ لابی علی الفارسی[2]

ابو عبداللہ محمد بن ابی الفرج المازری ۴۲۷ھ میں صقلیہ کے قصبہ مازر میں پیدا ہوئے۔ علوم کی تحصیل صقلیہ کے علماء و شیوخ سے کی۔ اس کے بعد قیروان جا کر وہاں کے اساتذہ فن سے استفادہ کیا۔ بہت ذکی اور فہیم تھے۔ قوتِ حافظہ غیر معمولی رکھتے تھے۔ قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کان فقیہا حافظاً مدرکاً نبیلاً فہماً متقدماً فی علم المذھب واللسان ومتقناً فی علوم القرآن وسائر المعارف[3] (ترجمہ) فقیہ، حافظ، شریف، سمجھدار، مذہبی اور ادبی علوم کے ماہر اور علومِ قرآن اور تمام علوم سے واقف تھے۔

---

[1] وفیات الاعیان وانباء الزمان المعروف تاریخ ابن خلکان از ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) جلد ۱ ص ۱۳۴

[2] وفیات الاعیان از ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۳۴۔ معجم الادباء از ابوعبداللہ یاقوت حموی بغدادی (م ۶۲۶ھ) جلد ۲ ص ۲۷۳، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ از جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ص ۱۹۵۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از حاجی خلیفہ چلپی (م ۱۰۶۸ھ) جلد ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

[3] ترتیب المدارک وتقریب المسالک از قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۱ ص ۳۸۱

فنِ قراءت پر آپ نے ایک ضخیم کتاب، کتاب الاستیلاء لکھی۔ اور قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ مازری کی یہ کتاب علوم القرآن میں بہت سی علمی معلومات کی حامل تھی۔[1]

ابن فحام الصقلی (م ۵۱۶ھ)

امام عبدالرحمٰن بن عتیق المعروف ابن فحام صقلی ۴۵۴ھ میں صقلیہ میں پیدا ہوئے اور صقلی کے علمائے کرام سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصر روانہ ہوئے اور مصر کے اساتذۂ فن سے علومِ اسلامی میں اکتسابِ فیض کیا اور مصر میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔ اور امام الوقت تسلیم کیے گئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر عتیق بن خلف یعنی علامہ ابوالقاسم بن فحام الصقلی وہ ہیں جن پر اسکندریہ میں علومِ قرآن کی صدر نشینی علو و معرفت کے لحاظ سے ختم ہو گئی۔[2]

علوم قرآن کے سلسلہ میں آپ کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ التجرید لبغیۃ المرید فی القراءات السبع ۲۔ التجرید فی القراءات ۳۔ مفردات القرآن (اس کو آپ نے مفرداتِ راغب اصفہانی کی طرز پر لکھا)[3]

عثمان بن علی السرقوسی

عثمان بن علی السرقوسی کا شمار بھی علمائے صقلیہ کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ ابن فحام الصقلی کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ صقلیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصر گئے۔ اور مصر کے اساتذۂ فن سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مصر کے مشہور جامع عمرو بن العاص میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بہت جلد عوام و خواص میں مقبول ہو گئے۔ آپ سے علمائے کرام کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ مصر کے اربابِ کمال سے آپ کا مذاکرہ جاری رہتا۔ خاص کر حافظ سلفی سے آپ کے بہت مذاکرے ہوتے اور

[1] ترتیب المدارک وتقریب المسالک از قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۱ ص ۳۸۱۔

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ از جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، جلد ۱ ص ۲۱۱۔

[3] کشف الظنون از حاجی خلیفہ چلپی (م ۱۰۶۸ھ)، جلد ۱ ص ۲۵۵، جلد ۲ ص ۲۰۸، و حسن المحاضرہ از علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) جلد ۱ ص ۲۱۱۔

حافظ سلفی نے آپ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ لَہٗ تو الیف فی القراءات (ترجمہ: علم قراءت میں ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ لیکن ان کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔ صرف علم مخارج میں ایک کتاب "کتاب مخارج الحروف" کا پتہ چلتا ہے[1]

علامہ ابن ظفر الصقلی

امام ابوعبداللہ محمد بن ابی محمد بن محمد ظفر الصقلی (م ۵۶۵ھ) کا شمار صقلیہ کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ علوم قرآن و علوم ادب میں ان کو امتیاز حاصل تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ صلاح و تقویٰ، علم و فن اور عبادت و ریاضت میں بھی بہت مشہور تھے۔ علوم قرآن کے تبحر نے انہیں حجۃ الدین کے لقب سے سرفراز کیا۔ مالکی مذہب کے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی کا بھی درس دیتے تھے۔

ابن ظفر کو علمی دنیا میں دو حیثیتوں سے شہرت حاصل ہے: ایک علوم قرآن کے ماہر مفسر کی حیثیت سے اور دوسرے عربی علم ادب کے ممتاز ادیب کی حیثیت سے۔ علوم قرآن میں یہ اپنے ہمعصروں میں امام وقت تسلیم کیے گئے۔

ابن ظفر صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ علوم قرآن میں آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ التفسیر الکبیر ۲۔ کتاب ینبوع الحیاۃ فی تفسیر الذکر الحکیم ۳۔ کتاب فوائد الوحی المعجز الی فرائد الوحی المعجز ۴۔ کتاب اسالیب الغایۃ فی احکام الآیۃ ۵۔ کتاب الکسیر فی کیمیا المنغیر ۶۔ کتاب البرہانیۃ فی شرح الاسماء الحسنیٰ[2]

ان کے علاوہ صقلیہ میں درج ذیل علماء جو اپنے تبحر علمی، زہد و ورع اور اخلاص و تقویٰ میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ علوم قرآن میں سند مانے جاتے تھے۔ اور علوم قرآن کے سلسلہ میں ان کی علمی و تدریسی خدمات ہماری تاریخ کا ایک زریں باب ہیں۔ اور یہ علمائے کرام حسب ذیل تھے:

امام ابوعبداللہ محمد بن خراسان الصقلی (م ۳۸۶ھ)، امام ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر عبدالرزاق

---

[1] تاریخ صقلیہ مولانا ریاست علی ندویؒ جلد ۲ ص ۱۰۱)

[2] معجم الادباء یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) جلد ۵ ص ۲۸ تا ۴۳، بغیۃ الوعاۃ از علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) ص ۳۲۳۔

شرف الدین الصقلی (م ۶۶۹ھ) ، حاملِ القرآن امام عبدالرحمٰن بن محمد البشیری الصقلیؒ ، امام ابوعبداللہ حسن بن ابوعبداللہ بن صدقہ الصقلی (م ۶۶۹ھ) [1]

علمِ حدیث صقلیہ کے چند ابتدائی حملوں میں بعض صحابہ کرام اور تابعین عظام کے صقلیہ میں وارد ہونے کی روایات تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت عمارؓ بن یاسر جن کی کنیت ابوالیقظان تھی۔ اور اسلام کے ابتدائی دور میں ان کے والد یاسر اور والدہ سمیّہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور کفار مکہ نے ان کو بہت اذیتیں دی تھیں ان کے صقلیہ آنے کی تاریخ شہادت دیتی ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) نے اسد الغابہ اور علامہ بن احمد حماد دہدلی (م ۳۱۰ھ) نے کتاب الکنی والاسماء میں یہ روایت نقل کی ہے:

ان ابا غسالہ المعافری حدثہ انہ سمع ابا الیقطان صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصقلیہ یقول ابشروا فواللہ انتم اشد حبا لہ لرسول اللہ ولم تروہ من عامۃ من راٰہ [2] (ترجمہ) ابوسعید بن یونس روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابوغسالہ معافری نے بیان کیا کہ انہوں نے ابوالیقظان صحابی رسول اللہ علیہ وسلم کو صقلیہ میں کہتے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ بشارت ہو تم لوگوں کو واللہ تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہے۔ باوجودیکہ تم لوگ ان کے دیکھنے والوں میں سے نہیں ہو۔

امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے اپنی مسند میں ایک نوجوان صحابی حضرت معاویہ بن خدیج

---

[1] تاریخِ صقلیہ مولانا ریاست علی ندوی جلد ۲ ص ۲۰۶

[2] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ از علامہ ابوالحسن علی بن محمد المعروف ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) جلد ۴ ص ۴۳، ۴۵ ، کتاب الکنی والاسماء از علامہ احمد بن حماد دولابی (م ۳۱۰ھ) جلد ۱ ص ۶۳۔

کندی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صقلیہ گئے تھے[1]

صحابہ کرام کا صقلیہ میں وارد ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کی شمع فیض سے علم حدیث کی روشنی صقلیہ تک پہنچی۔

صقلیہ میں علم حدیث تیسری صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک خوب پھیلا۔ اور اس دوران صقلیہ میں بے شمار محدثین کرام پیدا ہوئے، جنہوں نے حدیث کی ترقی و ترویج میں تحریری اور تدریسی طور پر گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں۔

سب سے پہلے موطا امام مالک جس کا شمار حدیث کی اول الکتب میں ہوتا ہے صقلیہ پہنچی۔ شیخ ابوسعید لقمان بن یوسف غسانی (م ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے صقلیوں میں کامل ۴ سال مؤطا امام مالکؒ کا درس دیا[2]

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ۴ محدثین کرام نے صقلیہ میں حدیث کی نشر و اشاعت میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور یہ سب محدثین کرام اپنے دور کے ممتاز عالم تھے۔ ان کے تبحر علمی، جلالت قدر اور زہد و ورع پر جمہور علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ ان میں ایک محدث امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بکر صقلی (م ۳۶۳ھ) تھے۔ علم حدیث میں مرتبہ کمال رکھتے تھے اور ایک خلائق ان کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئی۔ دوسرے امام محمد بن خراسان (م ۳۸۶ھ) تھے۔ یہ بھی حدیث کے بہت بڑے امام تھے۔ صقلیہ میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا گراں قدر حصہ ہے[3]

چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں صقلیہ میں اسلامی علوم و فنون ترقی کے عروج پر تھے۔ اس عہد میں بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے۔ جنہوں نے

---

[1] مسند احمد بن حنبل از امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، جلد ۶ ص ۴۰۱، ۴۰۲۔

[2] تاریخ صقلیہ از مولانا ریاست علی ندوی جلد ۲ ص ۲۰۸۔

[3] معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان از علامہ عبدالرحمٰن بن محمد انصاری المعروف دباغ (م ۶۹۶ھ) جلد ۳ ص ۱۸۱۔

ارباب کمال علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی۔ اور بعد میں خود ارباب کمال بنے۔ اس عہد کے محدثین میں ۱۳ محدثین کرام کے نام تاریخ میں ملتے ہیں جن میں ایک محدث ابوبکر محمد بن علی تمیمی صقلی (م ۴۵۸ھ) ہیں۔ جنہوں نے علم حدیث اور دیگر علوم اسلامی میں فضل و کمال پیدا کیا۔ حدیث کے درس و تدریس میں ساری زندگی بسر کر دی اور بکثرت تلامذہ ان سے فیض یاب ہوئے[1]

دوسرے محدث امام ابوبکر عتیق بن علی سمنطاری (م ۴۶۴ھ) تھے۔ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ صقلیہ میں تحصیل علم کے بعد اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ شام، یمن، خراسان اور حجاز گئے۔ اور ہر جگہ علماء و محدثین کرام سے استفادہ کیا۔ تحصیل علم کے بعد واپس صقلیہ آئے اور حدیث کی نشر و اشاعت میں مصروف عمل ہو گئے۔ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ اور مختلف علوم و فنون میں بلند پایہ کتابیں لکھیں، جن میں سے کچھ حدیث اور فقہ پر بھی تھیں۔

قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) ترتیب المدارک میں ابن القطاع کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن عتیق بن علی سمنطاری کی تالیفات فقہ و حدیث میں اپنی ترتیب و بیان میں غایت درجہ بہتر ہیں[2]

تیسرے محدث ابوبکر بن محمد سابق صقلی (م ۴۷۳ھ) تھے۔ جنہوں نے حدیث میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ صقلیہ میں تکمیل تعلیم کے بعد حجاز کا سفر کیا اور وہاں کے اساتذہ فن سے استفادہ کیا۔ صقلیہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اندلس چلے گئے۔ اور مدتوں اہل غرناطہ کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ موطا امام مالک کی شرح "المسالک" آپ کی تصنیف ہے[3]

---

[1] تاریخ صقلیہ از مولانا ریاست علی ندوی جلد ۲ ص ۲۷۹۔

[2] ترتیب المدارک از قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۱ ص ۲۷۹

[3] تزئین الممالک بمناقب سیدنا امام مالک از علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ص ۵۸۔

اس دور کے ایک محدث ابو حفص عمر بن خلف صقلی بھی تھے۔ جن کو علمِ حدیث میں خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اور انہوں نے حدیث کی نشر و اشاعت میں گراں قدر علمی خدمات سرانجام دیں۔ ۴۶۴ھ میں جب صقلیہ میں اسلامی حکومت کا زوال شروع ہوا تو اہلِ علم نے وہاں سے ہجرت کی تو محدث ابو حفص بن عمر نے اپنے وطن کو چھوڑ کر ٹیونس میں اقامت اختیار کی۔ ٹیونس کی حکومت نے آپ کا شایانِ شان احترام کیا۔ اور محکمہ قضا ان کے سپرد کیا۔ اور اس کے ساتھ شہر کی امامت بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ ان کے خطبات جمعہ نہایت بلیغ اور پُر اثر ہوتے تھے۔[1]

(باقی)

---

[1] بغیۃ الوعاۃ از علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ص ۳۶۱۔

رسائل و مسائل

این، آئی، ٹی یونٹس

سوال: - کسی زمانے میں تحریک اسلامی کے رہنما ...... نے رحیم یار خاں میں فرمایا تھا کہ گورنمنٹ نے ان کو سود سے پاک کر دیا ہے - اب میں آپ سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس کی وضاحت فرما دیں کہ این آئی ٹی یونٹ کا کام اب بھی سود سے پاک ہے - کیا میں تحریک اسلامی کے کارکن کی حیثیت سے ان کو خرید سکتا ہوں یا اس میں سودی کاروبار کا اندیشہ ہے -

جواب: - آپ کا استفسار دربارۂ خریداری این آئی، ٹی، یونٹ جناب قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی کو موصول ہوا تھا جو انہوں نے برائے جواب میرے سپرد فرما دیا تھا - اس ادارے کے مختصر مطبوعہ اعلانات اور تعارفی لٹریچر وغیرہ میں یہی درج ہوتا ہے کہ یہ ادارہ سود سے پاک منافع تقسیم کرتا ہے - لیکن اس دعوے کی تصدیق کے لیے ضروری تھا کہ اس کی بیلنس شیٹ اور مفصل سالانہ رپورٹ بھی دیکھ لی جائے - اِس رپورٹ کے حصول میں تاخیر ہو گئی جس کے باعث آپ کے استفسار کا جواب بروقت تحریر نہ ہو سکا - اب این، آئی، ٹی کی ۱۹۸۷ء کی سالانہ مطبوعہ رپورٹ دستیاب ہوئی ہے، جس کے مطالعہ سے درج ذیل معلومات فراہم ہوئی ہیں:

۱- اس ادارے میں جمع شدہ سرمایے کا ۸۳/۱ فیصد مختلف بنکوں اور سودی مالیاتی اداروں (الائیڈ بنک، حبیب بنک، مسلم کمرشل بنک، نیشنل بنک EQUITY PARTICIPATION FUND وغیرہ) کے سودی حصص کی خریداری میں صرف ہوا ہے اور ان پر متعین فیصد سود

وصول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا نام منافع رکھ دیا گیا ہے)۔

۲۔ ادارے کے جملہ سرمایے کے ۲/۳۹ فیصد سے میوچل فنڈ سرٹیفکیٹ خریدے گئے ہیں۔ یہ سرٹیفکیٹ آئی، سی، پی فنڈ کی خریداری میں سرمایہ کاری کے نام پر حاصل ہوتے ہیں، جس میں بنکوں کے سُودی حصص شامل ہیں۔

۳۔ پی، ٹی، سی (PARTICIPATION TERM CERTIFICATE) کے نام سے سرمایے کا ۶۳/۱ فیصد پی، ٹی، سی، تمسکات کی خریداری میں لگایا گیا ہے، مگر ان میں شراکت یا مضاربت کے شرعی اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ سُودی اضافے کا فقط نام بدل دیا گیا ہے۔

۴۔ مارک اَپ سسٹم کے تحت سرمایے کا ۲۳/۷۰ فی صد مختلف صنعتی یا کاروباری اداروں میں لگایا گیا ہے۔ مارک اَپ میں جس منافع کا اعلان کیا جاتا ہے اس کے لیے جواز کی دلیل ایک خاص قسم کے معاہدۂ خرید و فروخت سے فراہم کی جاتی ہے جسے فقہی اصطلاح میں بیع المرابحہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مگر مارک اَپ میں صاحبِ مال کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ اس کے سرمایے سے کیا چیز کس قیمت پر خریدی اور پھر بیچی جا رہی ہے۔ چہ جائیکہ وہ چیز اس کی ملک یا قبضے میں آتے اور وہ اسے نفع پر فروخت کی اجازت فریقِ ثانی (بنک یا کاروباری ادارے) کو دے۔ یہ ساری کارروائی بالکل جعلی اور فرضی حیلہ بازی ہوتی ہے، جو سُود کی حرمت کو حلت میں بدلنے کے لیے کی جاتی ہے۔

۵۔ پی، ٹی سرٹیفکیٹ کی طرح تمسکات کی ایک دوسری قسم ہے جو ٹی، ایف، سی (ٹرم فنانس سرٹیفکیٹ) کے نام سے معروف ہے۔ ان تمسکات میں بھی نام کا فرق ہے ورنہ عملاً اور حقیقتاً ان میں اور سُودی لین دین میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ ٹرم فنانس سرٹیفکیٹ کی خریداری میں این، آئی، ٹی کا ۴۹/۱ فی صد سرمایہ ۱۹۸۷ء میں لگایا گیا ہے۔

ان جملہ تفصیلات سے یہ امر ثابت ہے کہ این آئی، ٹی کے جمع کردہ سرمایے کا تقریباً ۲۹ فی صد اب بھی سُودی کاروبار میں لگایا گیا ہے۔ لہٰذا اس ادارے کا یہ اعلان بالکل

غلط اور خلافِ واقعہ ہے کہ اس ادارے کی سرمایہ کاری سود سے پاک منافع کی ضامن ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ٹرسٹ کے ڈائریکٹروں کی بڑی تعداد بنکوں اور سرمایہ داروں کے نمائندوں پر مشتمل ہے اور ٹرسٹی نیشنل بنک آف پاکستان ہے۔ چنانچہ میری تحقیق کے مطابق اس ادارے کے یونٹ خریدنا شرعاً جائز نہیں۔

اگر ہمارے بعض محترم بزرگوں اور علمائے کرام نے این، آئی، ٹی کے حصص کی خریداری کو جائز کہا تھا تو غالباً اس بنا پر تھا کہ اس ادارے کے منتظمین نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ اس ادارے کے کاروبار میں جن سودی اجزا کی نشاندہی کی گئی تھی، ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

(غ - ع)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

مطبوعات

پاکستان اور قومی یک جہتی از جناب پروفیسر محمد صدیق قریشی۔ ناشر: فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی۔ جدید ترین کمپوٹرائیزڈ طباعت، بہت اچھا کاغذ، خوش نما ٹائیٹل، صفحات ۹۰ قیمت ۴۰/ روپے۔

کتاب موضوع و مقصد کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے۔ یک جہتی کے فقدان سے بے شمار خطرناک عوارض نمودار ہوتے ہیں۔ اور یک جہتی قائم کرنے سے یہ دُور ہو سکتے ہیں۔

یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ مصنف نے "تاریخی حقائق ہوں یا معاشی اور معاشرتی مسائل اور ان کے سیاست پر اثرات، ان سب کے متعلق جو باتیں کہی ہیں اُن کے لیے کہیں حوالے بھی دیئے ہیں اور نہیں بھی دیئے تو بین السطور میں ان کا مطالعہ جھلکتا ہے۔ انہوں نے قوم اور قومیت کے سلسلے میں بھی گفتگو کی ہے اور اتحاد و افتراق کے نفع و نقصان پر بھی۔ لیکن بہت سی ضروری باتیں انہوں نے "خود شناسی" کے باب میں کہی ہیں۔ بہت سی زیادتیاں اور محرومیاں اور تضاد ہیں جن کی وجہ سے ہماری وحدت میں خلل آتا ہے۔

کتاب کہتی ہے کہ پاکستانیت کو مضبوط ذات سے بنتا ہو! لیکن لوگ جب دیکھتے ہیں کہ اسی پاکستان

کے بڑے بڑے علمبردار اور نگہدار پاکستان کو کھاتے جا رہے ہیں اور آبادی کے بعض حصوں کو مصیبت کا شکار بنا رہے ہیں تو ان کے احساسات ردِ عمل کا شکار ہو کر صحت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

کتاب کہتی ہے کہ علمائے کرام دین و ایمان کو پھیلائیں، وہی تو ہمارا اصل رشتۂ وحدت ہیں۔ حالانکہ جہاں ایک طرف صورت یہ ہو کہ حکومتی اور نیم حکومتی ادارات اسلام کی بیش قیمت قدروں کو پیمانۂ کبیر پر تباہ کر رہے ہوں اور جہاں معاشرے میں دین اور اس کے قانون کو کوئی مؤثر مقام دینے سے حکومت کو انکار ہو۔ اور اس کے اکابر تک عملاً اس سے آزاد رہتے ہوں اور مخالفینِ دین کو نوازتے ہوں اور جہاں علمائے دین کو ملّا کہہ کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ جہاں نظامِ تعلیم لارڈ میکالے کی بنیادوں پر یا تو مشنریوں کا قبول ہو یا انگلش میڈیم پبلک اسکولوں کا، اور غبن اور خیانت اور رشوت کا عام چلن ہو اور جہاں غریب طبقوں کو ہمیشہ پستے رہنا ہو، وہاں آپ دس ہزار مولویوں کو بھی وعظ کہنے کے لیے لگا دیں تو وہ ان تضادات کا ازالہ نہیں کر سکتے جو اکابرِ قوم اور عوام میں ہیں۔

پس ہم صدقِ دل سے پروفیسر محمد صدیق قریشی صاحب کی دعوتِ اتحاد کے ساتھ ہیں اور خرابیٔ احوال کے تجزیے کے بعض پہلو بھی ان کے قلم سے بہت اچھے سامنے آئے ہیں، لیکن وہ بگاڑ کے پورے اسباب پر حاوی ہو کر جامع اور مؤثر حل نہیں دے سکے۔

مثلاً حل تجویز کرتے ہوئے اہم ترین سوال یہ آتا ہے کہ ایک پاکستانی کا — وہ حاکم ہو یا شہری — نصب العین کیا ہے جس کے لیے وہ ساری زندگی کھپا دے یا یہ کہ اُسے کس ساخت کا انسان بننا چاہیے اور کیوں اور کس طرح؟

آج کے حالات میں جو پراگندگی ہے، اس کے لحاظ سے ایسی تحریریں بہرحال ضروری اور مفید ہیں۔

ہمقدم | مدیر: ریاض محمود و معاونین - اشاعت اپریل ۱۹۸۸ء قیمت: -/۴ روپے
پتہ: ا - اے ذیلدار پارک روڈ، اچھرہ، لاہور - پوسٹل کوڈ نمبر ۵۴۶۰۶

یہ ایک خاص نمبر ہے - اسے پڑھ کر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ جس کا کوئی مقصد اس کے سوا نہیں کہ نظامِ تعلیم اسلامی بنیادوں پر صحیح شکل میں استوار ہو، اور حکومت و معاشرہ دونوں کی سطح پر اسلام کے اُصول و قوانین اور اداروں کو اُبھارا جائے، اسے ایک مخالفانہ ماحول کی طرف سے ان پاکیزہ مقاصد کی سزا برابر ملتی رہی ہے - سزا کا ایک حصہ یہ پروپیگنڈا کہ جمعیت غنڈوں کا تشدد پسند گروہ ہے اور دوسرا حصہ یہ کہ انہیں کے آدمیوں کو مسلسل شہید اور زخمی کیا جاتا ہے اور مجرم اوّل تو پکڑے نہیں جاتے، نشان دہی ہو بھی تو حوالات میں رہ کے آجاتے ہیں، سزا کسی کو نہیں ہوتی - یونیورسٹی سے طلبہ کو نکالا جاتا ہے تو جمعیت ہی کی بڑی تعداد کو نکالا جاتا ہے - جمعیت کی مظلومیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ۷ ار نومبر ۱۹۸۷ء کی شام کو پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد میں اسلم فتیانہ کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا، ۲۸ ر فروری ۱۹۸۶ء کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور جمعیت کے ناظم اور سال چہارم کے طالب علم زبیر خان بابر کے خون سے در و دیوار سرخ ہو گئے - ۱۵ ر مارچ ۱۹۸۸ء کو جمعیت کے رکن طارق جاوید کو شہید کر دیا گیا - اِن کا جرم؟ ان کے قاتل؟ ملزمان کی گرفتاریاں؟ تفتیش؟ سی آئی ڈی کہاں؟ پولیس؟ وزراء؟ محکمۂ انصاف؟ احتساب؟ سیاسی جماعتیں؟ طلبہ کی جماعتیں؟ ذرائع ابلاغ؟ شہیدوں کی آخری نگاہوں نے تو یہی کچھ دیکھا ہو گا کہ سب کچھ ان کی مظلومانہ لہو کی لہروں میں ڈوب گیا -

یہ مصنوعی ڈراپ سین آخرت میں ختم ہو جائے گا اور بہت سے سیاہ چہرے نمایاں ہوں گے -

جس ملک میں ظلم کو اذنِ عام مل جائے، پھر اسے اس زندگی میں بھی فلاح و سعادت نہیں ملتی -

---

ماہنامہ ہمدرد | مدیر: حکیم محمد سعید - مقامِ اشاعت: ہمدرد مرکز، ناظم آباد کراچی ۱۸ -
قیمت: -/۴ روپے

اِس باتصویر رسالے کا سرورق جدید طریق تزئین سے آراستہ ہے - ... خوب ہے - طباعت ٹائپ کی - مضامین "آزادی میرا حق ہے"، "حوصلہ تازہ کی جستجو"، "آوازِ حق" "شرفِ انسانی"

"روز و شب" اور "شذرات" کے عنوانات پر ہیں۔
دلچسپ چیز حکیم صاحب کا روزنامچہ (ڈائری) ہے۔ یہی سب سے طویل حصہ ہے اور یہی مختلف حقائق اور مشاہدات و تجربات کے جمع ہو جانے کی وجہ سے تنوع رکھتا ہے۔
حکیم صاحب! ٹائپ سے بات بنتی نہیں۔ اب تو نوری نستعلیق وغیرہ کا راستہ ہی اپنا لیجیے۔

ماہنامہ تعلیمات	ادارت: ایک وسیع مجلسِ مشاورت جس کے صدر ڈاکٹر محمد اقبال ظفر ہیں

قیمت فی شمارہ ۴/- روپے۔ سالانہ ۴۰/- روپے۔ دفتر: ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب لاہور۔
اس رسالے کے مستقل مباحث میں ملک کا نظامِ تعلیم، فرائض معلمین، نصابی کتب، اسلام کے تعلیمی نظریات، مسلمانوں کے تعلیمی ادارات اور تجربات جیسے موضوع شامل ہیں۔
تعلیمی اداروں، اساتذہ اور طلبا اسے بالخصوص پڑھیں۔ اگرچہ اس کا دائرۂ افادہ وسیع ہے۔

غلبۂ اسلام	از جناب راشد شاذ۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف مسلم امۃ افیئرز، پی او بکس ۷۷

علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱۔ انڈیا۔ کاغذ سفید، کتابت و طباعت اچھی۔ سرورق دبیز رنگین۔ قیمت درج نہیں۔
راشد شاذ بہت ذہین نوجوان ہیں اور علی گڑھ یونیورسٹی کی آغوش میں ان کے ذوقِ نظر نے پرورش پائی ہے۔ اور پھر ان کو بھارت کے ماحول نے سوچ بچار کا ایک سانچہ فراہم کیا ہے۔ وہ خوب سوچتے ہیں اور بے تکان پُرزور تحریریں لکھتے ہیں۔
ان کی کتاب پڑھ کر محسوس ہوا کہ اس وقت دُنیا بھر میں بھی اور خصوصاً برصغیر میں احیائے اسلام کا ایک چرچا ہے اور کئی جماعتیں اور چھوٹے چھوٹے گروپ اور لتے بدلتے تصورات لے کے میدان میں آ گئے ہیں۔ شاذ صاحب ان میں محاکمہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ جج ایسے سخت ہیں کہ ان

کے خاتمہ فیصلہ کی زد سے کوئی بھی نہیں بچا۔ سب کے لیے فرد قرار دادِ جرم تیار!

ٹھیک ہے کہ یہ بھی ضروری کام اور دلچسپ مشغلہ ہے مگر اس کام کے لیے کچھ زیادہ مطالعہ و مشاہدہ بھی درکار ہے اور کچھ شخصیت کی بالیدگی اور نگاہ کی درستی بھی۔ ابھی دوسروں پر حکم لگانے سے زیادہ خود کچھ کام کر دکھیے۔ پھر کسی دوسرے کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اس کی پوری بات کو یک جا سمجھیے، بلکہ ان توجیہوں اور توضیحوں کو ساتھ شامل کر لیجیے، جن کے بغیر پوری بات سمجھی ہی نہیں جا سکتی۔

معاف کیجیے گا، بے عنوان لمبی عبارتیں لکھتے چلے جانا اور بے کشش اندازِ گفتگو کے ذریعے تنقیدی نکات کو دوسروں تک پہنچانا زیادہ مفید نہیں پڑے گا۔

اور پھر ٹائیٹل پر اُوِنٹ کا جو استعارہ آپ نے دیا ہے۔ وہ اب اپنی اچھی معنویت کھو چکا ہے۔ کیا نئے استعارے وضع نہیں ہو سکتے۔

خود نوشت مرتبہ: گل بخشالوی۔ ناشر: قلم قافلہ کھاریاں، پاکستان۔ قیمت: ۶۵/- روپے

یہ ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ بہت سی شعراء کی کاغذی محفل آراستہ ہے۔ ہر کوئی اپنا اپنا کلام لیے حاضر ہے۔ دلچسپ یہ کہ ہر شاعر کا کلام "بقلم خود" لکھا ہوا ہے جس کی فوٹو نقل طباعت میں آئی ہے۔ بہتوں نے تصویریں بھی فراہم کی ہیں۔ اس لیے شاعری باتصویر ہو گئی ہے ــ قدیم و جدید رنگ اور طرح طرح کے خیالات و احساسات یک جا ملیں گے۔ اہلِ ذوق لطف اندوز ہوں۔

روئیدادِ عمل ۱۴ پرنسپل تعلیم القرآن خط و کتابت اسکول۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲، ۱۷۔ محمد نگر لاہور۔

مسیحی مشنریوں نے پاکستان میں اسکولوں اور ہسپتالوں کے علاوہ بہت سے خط و کتابت اسکول بھی کھول رکھے ہیں، جہاں سے مسیحی تبلیغ کے لیے مختصر اور آسان اور مسلسل کورس پھیلا کر استفادہ کرنے والوں کے امتحان لیتے ہیں اور سندات دی جاتی ہیں، علاوہ ازیں انعامات بھی

پھر لٹریچر پھیلانے کا ایک نظام بھی بنتا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل متذکرہ تعلیم القرآن اسکول خط و کتابت کے ذریعے قرآن اور اسلامی تعلیم کو سادہ اور آسان پیرائے ہیں اور مختصر اسباق میں پھیلاتا ہے۔ یہ کام جتنے بڑے پیمانے پہ ہونا چاہیے، اس سے کم ہے۔ پھر بھی بہت مفید۔ اگر کچھ اچھے لوگ اسے مضبوط اور وسیع کریں تو یہ وقت کی ضرورت ہے۔

فہرست کتب جامعۃ القرآن | از جامعۃ القرآن - ۶۰ - راوی روڈ، لاہور ۲

یوں تو یہ فہرست کتب ہے مگر اس میں عجیب عجیب نکتے درج ہیں۔ مثلاً ۱۔ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج وقوع پذیر نہیں ہوا"۔ ۲۔ "سنّت کو حدیث شمار کرنا توہینِ نبوت ہے"۔ ۳۔ "یونانیوں نے اللہ اور رسولؐ کے درمیان خلا ظاہر کرنے کے لیے قرآن کو خالق ظاہر کر رکھا ہے"۔ ۴۔ "اس وقت کسی کو معلوم نہیں کہ نماز عمل ہے یا دُعا؟"۔ ۵۔ "اگر کوئی شخص سورج کو مرکز اور زمین کو اس کے گرد گھومتا ثابت کر دے تو وہ ۲۵ ہزار روپے کا انعام حاصل کر سکتا ہے"۔ ۶۔ "قرآنی تعلیم کا قاعدہ جو حکومت کی طرف سے تیسری جماعت میں پڑھایا جاتا ہے وہ بھی بائیبل کا عربی ترجمہ ہے"۔ ۷۔ "جامعۃ القرآن کا لائحہ عمل مسلمانوں کو محمدی مسلمان بنانا ہے"۔ "یونانی مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا ہے"۔ ۸۔ "محمدی مسلمان نہ تو کبھی کسی سے عطیہ وصول کرتے ہیں، نہ ہی خیرات مانگتے ہیں لیکن علم کی زکوٰۃ (قیمت) ضرور لیتے ہیں۔

کچھ سمجھ دار لوگ اس ادارہ کے کارپردازوں سے مل کر ان کا فلسفہ اور نقطۂ نظر معلوم کریں۔

الحقوق الوالدین | از محمد نصیر قریشی الفاروقی - ناشران: مؤلف و اولادہ - پتہ: مکان نمبر ۹ گلی نمبر ۳۲، مسعود پارک، نئی آبادی، ڈھولن وال بند روڈ، لاہور۔ صفحات: ۸۰ قیمت حسب استطاعت

نام سے ظاہر ہے کہ حقوقِ والدین کے متعلق مضمون ہے۔ قرآنی احکام کے ساتھ احادیث بیان کی گئی ہیں۔ اِکا دکا کمزور روایتیں اور اولیائے مابعد کے متعلق چند قصے بے سند نہ ہوتے تو کتاب زرِ خالص ہوتی۔ اب بھی اہلِ نظر کے لیے مفید ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ

تھا کہ والدین کے حقوق کے ساتھ اولاد کے حقوق بھی واضح کر دیئے جاتے۔

دعوتِ اسلامی کا کام کیوں نہیں ہوتا؟ از شبیر احمد منظر قادری ۔ ناشر: ادارۂ صدائے سحر، بنگلور، کرناٹک انڈیا۔ قیمت: ۳/- روپے (بھارتی)

برِصغیر کے شمالی یا جنوبی کسی بھی حصے میں اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دعوتِ اسلامی کا کام نہیں ہو رہا، لیکن یہ درست ہے کہ جتنا ہونا چاہیے، نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی دو بڑی وجہیں ہیں: ایک داخلی دوسری خارجی ـــــ داخلی یہ کہ ہمارے دل جو دنیا کی ہنگاموں اور لگاوٹوں سے کٹ کر اپنے مقصد کے لیے یکسو تھے، وہ آہستہ آہستہ سرکتے سرکتے تکاثر و تفاخر کی اس دلدل میں شامل ہو گئے ہیں جو سیلاب بلا بن کر ساری دنیا پر طاری ہے۔ اس خاص مسئلے کو پمفلٹ میں لیا گیا ہے۔ دوسری وجہ بے شمار عالمی قوتوں اور سیاسی اداروں اور مذہبی جتھوں اور پروپیگنڈہ کے مرکزوں کی شدید سے شدید تر ہوتی ہوئی مخالفتیں ہیں جن کا پورا اندازہ پہلے نہ تھا۔ اب ان دو حقیقتوں کو سامنے رکھ کر نئے سرے سے نقشۂ کار بنانا چاہیے۔

حکیم ہاشمی صاحب کے پمفلٹ ۱۔ ذکرِ الٰہی ۲۔ خون کے آنسو از جناب حکیم ہاشمی پوسٹ بکس نمبر ۲۵۰ ۔ حیدر آباد سندھ ۔ خط لکھ کر مفت حاصل کریں۔

حکیم صاحب اور ان کے پمفلٹوں کا تذکرہ ہماوسے بہرہ مطبوعات میں آ ہی رہتا ہے۔ وہ اچھی اچھی باتیں سادہ انداز سے لکھتے ہیں۔

ماہنامہ تدریس القرآن مدیر: نسیم احمد (بہ تعاون مجلسِ ادارت)، جمعیت تعلیم القرآن کا ترجمان۔ دفتر: عالمگیر روڈ۔ کراچی۔ قیمت فی شمارہ ۳/- روپے سالانہ ۳۰/- روپے

ایک اچھا دینی و تعلیمی ماہنامہ ہے جو شمارہ زیرِ نظر ہے اس میں "کلماتِ ناسبتی" کے علاوہ مفتی محمد شفیع مرحوم صاحب، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم، علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم اور نواب مشتاق احمد خان صاحب کے علاوہ سید غلام احمد ایڈووکیٹ اور خلیل الرحمٰن ایڈیٹر جنگ جیسی شخصیتوں کے مضامین شامل ہیں۔

جمہوری انقلاب کا راستہ | از جناب صفدر حسین صدیقی - ناشر: پاکستان عوامی مجلس ۱۲-صدیقی اسٹریٹ، ابوبکر بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ہمارے یہاں جمہوریت کے کئی مفہوم رائج ہیں، ایک مفہوم وہ ہے جسے صفدر حسین صدیقی صاحب نے پیش کیا ہے۔ مگر "جمہوری انقلاب کا راستہ" کے نام سے ایک منشور نیز مفصل درج ہے۔" راستہ" واضح نہیں۔ تاہم ایسی چیزوں کو پڑھا جانا چاہیے۔

اعتذار

تبصرہ کے لیے متعدد اہم کتب موصول ہیں۔ مگر اب تک مطبوعات کے آٹھ صفحات لکھوائے جا چکے ہیں۔ ماہ رمضان کی وجہ سے کام کا بوجھ بڑھایا نہیں جا سکتا۔ اس وجہ سے کتب موصولہ کے تبصرے اگلے ماہ میں درج ہو سکیں گے۔

(ا د ا ر ہ)

پاکستان کے تمام اہلِ قلم حضرات

سے

درخواست ہے

کہ جو حضرات —— پاکستان کی سالمیت اور استحکام کا اہتمام

اور —— پاکستان میں اسلامی طرزِ حیات کے اجراء

کے دو بنیادی نکات سے اتفاق رکھتے ہوں وہ اپنے ہم خیال اہلِ قلم سے رابطہ و تعلق اور فکری و مقصدی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہم سے رابطہ پیدا کریں۔

ادارۂ علم و ادب پاکستان

نعت، سیرت اور علم و ادبِ اسلامی کے اہم کارناموں پر

انعام و ایوارڈ کی تقریبات منعقد کرے گا۔ پہلی تقریب ایوارڈ ۲۰، ۲۱، ۲۲۔ اکتوبر بمقام **لاہور** منعقد ہو گی۔ اندرون پاکستان اور بیرون پاکستان —— تمام زبانوں انگریزی اردو، سندھی، بلوچی، سرائیکی، پنجابی، پشتو، ہندکو، پوٹھوہاری، براہوی اور دوسری سب پاکستانی زبانیں جن میں علم و ادب کی تحریری روایت موجود ہے —— ان سب زبانوں کے سب ادیب اور شعراء اس مشترکہ مقصد میں حصہ لے سکتے ہیں۔

بزرگوں، نوجوانوں، طلباء اور طالبات سب سے درخواست ہے کہ وہ اپنی نگارشات کے مختصر نمونے معہ جملہ کوائف اور مکمل پتے ہمیں ارسال کریں۔

شعری نگارشات میں سے —— اپنی بہترین نعت یا نظم یا غزل کا ایک نمونہ۔

نثری نگارشات میں سے —— اپنے بہترین مختصر ترین مضمون، مراسلہ یا مقالہ کا ایک نمونہ

۳۰ جون تک لازماً ارسال کریں تاکہ ترتیب میں شمار ہو سکیں۔

پتہ برائے ترسیل نگارشات و مکاتیب

نگرانِ اعلیٰ۔ ادارۂ علم و ادب پاکستان

منصورہ۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۱۸۔ پاکستان

اکتوبر ۱۹۸۹ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

تحریکِ اسلامی: مکتوباتِ یورپ

— از —

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

- ○ کتاب : جس کا آپ کو عرصے سے انتظار تھا
- ○ کتاب : جو رسائل کے دامن میں بکھر کر کھو گئی تھی
- ○ کتاب : جو معانی کا سمندر اور دعوتِ اسلامی کا قلزم اپنے دامن میں رکھتی ہے
- ○ کتاب : جو اسلام کی دعوت لے کر یورپ کی بستی بستی میں جانے کا جذبہ اور داعیہ پیدا کرتی ہے
- ○ کتاب : جو آپ کے بے شمار سوالات کے تسلی بخش جواب دیتی ہے
- ○ کتاب : جو ملحدانہ ماحول اور مادہ پرستانہ فضا میں توحید کی آواز بلند کرتی اور روحانیت کی شمع روشن کرتی ہے
- ○ کتاب : جو دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کی بانگِ درا ہے
- ○ کتاب : جس کے بغیر مولانا مودودیؒ کا لٹریچر آپ کے پاس نامکمل ہے

ضخامت: ۲۵۶ صفحات ○ سائز : ۲۰ × ۳۰ / ۱۶

قیمت : /۱۸ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اُردو بازار ○ لاہور